توام بہنیں

المشہور

شوہر کی بیٹی

مصنفہ

لالہ شادی رام جینی

مصنف

باکماری۔ من موہنی۔ پیسے کا غلام وغیرہ وغیرہ

جس کو

حکیم رام کشن مالک تجارتی کتب خانہ کمرہ پاکستان

لوہاری دروازہ لاہور نے

بعد حصول حقوق دوامی از مصنف

سنہ ۱۹۳۰ء میں

لال سٹیم پریس لاہور میں طبع کرائی

عجیب کتب

دارو الشفا اردو۔ بہت سے لوگ نظم دارو الشفا کو پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ پنجابی عام لوگ سمجھ نہیں سکتے تھے اِس لئے ہم نے دارو الشفا کو اردو معلیٰ زبان میں تیار کیا ہے۔ قیمت چھ آنہ (۶ر)

گھر کا درزی۔ یہ نادر کتاب سلائی کی لاثانی کتاب ہے۔ اس میں قریباً تمام قسم کے کپڑوں کے کاٹنے اور ناپنے کے اصول ہیں۔ جو نہایت وضاحت سے لکھے گئے ہیں۔ اور سمجھانے کے واسطے تمام کپڑوں کی شکلیں بھی دی گئی ہیں۔ جو قابل تعریف ہیں۔ آخر میں فہرست ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آٹھ سے چوبیس گرہ لمبا کوٹ و پاجامہ کو کتنا کپڑا لگیگا۔ نہایت ہی مفید کتاب ہے۔ قیمت (۵ر)

مکمل لاگبازی۔ اِس نایاب میں لاگبازوں اور سیالوں اور اکھاڑے والوں کے کرتب اور شعبدات۔ ہتھکنڈے اور بوتل بنانا۔ وغیرہ درج ہے۔ مفید قابل قدر کتاب ہے۔ قیمت حصہ اول (۱۲ر) حصہ دوم (۶ر)

قارورہ۔ اِس میں انگریزی۔ یونانی و ویدک طریق سے قارورہ دیکھکر مرض کا حال معلوم کرنا درج ہے۔ قیمت صرف دو آنہ (۲ر)

علاج المستورات۔ عورتوں کی بیماریاں خصوصاً حاملہ اور زچہ کے عوارضات کی تشریح۔ وضع حمل کی ضروری ہدایات وغیرہ درج ہیں۔ قیمت صرف چار آنہ (۴ر)

مخزن حکمت یا مفردات الادویہ

اِس کتاب میں یونانی یعنی دیسی طب کی تمام کی ادویات کے ہر زبان میں ردیف وار بہ ترتیب حروف تہجی نام دیکر ان کی ماہیئت و شکل۔ رنگ۔ وضع۔ ذائقہ طبیعت۔ بدل تفصیل وار اور طبی افعال وخواص نہایت ہی مشرح اور عام فہم عبارت میں بیان کیا گیا ہے دوا کا نام خواہ کسی زبان میں کیوں نہ ہو فوراً حروف ردیف دیکھنے سے دوا کی پوری کیفیت اور دوسری زبان کا نام ملسکتا ہے قیمت [illegible]

ملنے کا پتہ: حکیم رام کشن جنرل بک ایجنسٹ کٹڑہ تار کشاں لوہاری گیٹ لاہور

باب اوّل

آیئے ناظرین۔ ذرا آپ کو شہر راولپنڈی کی سیر کرائیں۔ وہ دیکھئے سامنے ایک چھوٹا سا دو منزلہ مکان نظر آرہا ہے۔ شاید آپ پوچھیں گے۔ کہ یہ مکان کس کا ہے۔ تو سنیئے یہ ہمی بتائے دیتے ہیں۔ اس کی مالکہ ایک بیوہ عورت ہے۔ جو اندازاً ۳۸۔۴۰ سالہ معلوم ہوتی ہے۔ گو اس کے آدھے بال سفید ہو گئے ہیں لیکن ابھی دانت بدستور قائم ہیں۔ گو اس کا رنگ سرخی مائل بہ سفید ہے۔ مگر اسکے چہرہ پر خفیف خفیف چیچک کے داغ موجود ہیں۔ گو اس کی آنکھیں بڑی موٹی ہیں۔ مگر ناک قدرے پچپنا ہے۔ گو وہ دُبلی اور پست قد ہے۔ مگر توانا تندرست ہے۔ گو وہ اس عمر میں کسی قدر بھدی معلوم ہوتی ہے۔ مگر عالم شباب میں اسے اپنی خوبصورتی پر از حد ناز تھا۔ اس کے خاوند کو انتقال کئے تقریباً ۱۳ سال گذر چکے ہیں اور اس کی وہ لڑکی جسے اس کا خاوند ۲ برس کی عمر میں یتیم چھوڑ گیا تھا۔ اب جوان ہو گئی ہے۔ اس عورت کا نام نصیبن اور اس کی لڑکی کا بدر النساء ہے نصیبن کا خاوند ایک معمولی مسلمان تھا۔ جو کہ صدر بازار میں ایک چھوٹی سی دوکان جلیبی [illegible] کیا کرتا تھا۔ وہ بڑا نیک اور سیدھا تھا۔ مگر اس کی عورت بیوا اس سے [illegible] جتنا وہ صاف دل تھا مگر اتنی ہی یہ بدظن اور شیریں بیان تھی۔ جتنی اس سے الفت تھی اتنی ہی اس سے اسے نفرت تھی۔ جتنا وہ پاک دلی کے باعث اس کی طرف سے [illegible] با اعتبار تھا۔ اتنی یہ ٹٹی کی اوٹ میں شکار کھیلتی تھی۔ جیسا کہ وہ بے یار و مددگار تھا۔ ویسے ہی اس کے سینکڑوں جان نثار تھے۔ جیسا کہ وہ بزدل اور کم ہمت تھا۔ ویسی ہی یہ دلیر اور مردانہ تھی۔ جتنا وہ اپنی کم روزگاری کے باعث تنگ رہتا تھا۔ اتنا یہ روپیہ کی طرف سے بے فکر رہتی تھی۔ اور کیوں نہ رہتی جبکہ اس نے اپنی عصمت کو کرنسی نوٹ سمجھا ہوا تھا۔ جب چاہا توڑ لیا۔ اس

نیک مرد نے آخر جو الفاظ کہے تھے وہ یہ تھے۔

میری پیاری نصیبن میں تجھے اور اس ننھی سی جان بدر النساء کو خدا کے حوالے چھوڑتا ہوں۔ میں خوب جانتا ہوں۔ کہ سوائے اس چھوٹی سی حویلی کے تمہارے لئے کچھ نہیں چھوڑتا۔ مگر کیا کروں۔ کچھ پیش نہیں چلتی۔ کہ جب بدر النساء ۷۔ ۸ برس کی ہو جائے۔ ہاں اگر تجھ سے ہو سکے۔ اس کو قرآن شریف پڑھانا اور چونکہ میں تمہیں ناداری کی حالت میں چھوڑتا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تو اسکی پڑھائی کا زیادہ خرچ برداشت کرے۔ مگر ہاں اردو کی دو چار کتابیں تو ضرور ہی پڑھا دینا اور اسے بُری صحبت سے بچانا۔ اپنی اور اس کی عزت و عصمت پر کبھی کوئی حرف نہ آنے دینا۔ جب یہ سیانی ہو جائے۔ تو کسی لائق اور ہونہار لڑکے کیسا تھ اسکی شادی کر دینا۔ خواہ اس کا خاوند مالدار نہ ہو۔ مگر نیک اور تعلیم یافتہ ضرور ہو اور خواہ تمہارے پاس دینے کو کچھ نہ ہو۔ مگر اس کے خاوند سے کبھی ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ لینا۔ بس یہی میری آرزو ہے۔ اب میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ وہ تمہارا معاون و مددگار رہیگا۔

ناظرین کیا مذکورہ بالا الفاظ سے اس کے خاوند کی نیک دلی ثابت نہیں ہوتی مگر کیا اس عورت نے اس کی وصیت پر عمل کیا۔ ہرگز نہیں۔ اس نے تو اس کے ... ہی وصیت کو بالائے طاق رکھکر کھلے میدان عصمت فروشی شروع کر دی اسکے ایک خاوند کے مرتے ہی سینکڑوں خاوند پیدا ہو گئے اسکے لئے دن عید اور رات شبرات ہو گئی۔ شب و روز اپنے بناؤ سنگار سے کام تھا۔ عمدہ کھانا اور عمدہ پہننے سے سروکار تھا۔ وہی مکان جس میں پہلے مٹی کا پوچہ بھی نہ پھرتا تھا۔ اب دلہن کی طرح آراستہ ہو گیا۔ وہی مکان جو پہلے طاہرا خانہ کہلایا کرتا تھا۔ اب شریف عورتیں اس کے نام پر لاحول پڑھتی ہیں۔ یہ عورت بیشک پہلے درجہ کی بدمعاش اور بدچلن ہے۔ مگر اپنی لڑکی سے از حد محبت رکھتی ہے۔ گو اس نے ابتک اپنے کو بڑے نازوں میں پالا ہے۔ مگر اس کی تعلیم کا یا شادی کا اس نے آج تک خیال بھی نہیں کیا۔ اب چونکہ نصیبن بالکل ادھیڑ ہو گئی ہے۔ اور اس کے سبب جان نثار رفتہ رفتہ کنارہ کر گئے۔

اس لئے اب اس کا ارادہ اپنی لڑکی کی بدولت کسی رئیس کو پھنسانے
کا ہے۔ بدرالنساء گو بڑی نیک سیرت اور لائق لڑکی ہے۔ مگر
اس کا حسن اپنی والدہ کے ہتھکنڈوں سے بچنے نہ پاوے گا۔ اسپر امنڈتا
بلا کا جوبن آرہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں جادو بھرا ہوا ہے۔ ہونٹ گلاب
کی پنکھڑیوں کو مات کرتے ہیں۔ رنگ کشمیریوں کی طرح سفید ہے۔ دانت لگ
گوہر کو خاک میں ملاتے ہیں۔ زلفیں لوگوں کو بے ایمان کئے دیتی ہیں۔ قدموزوں
ہے۔ اور کمر کو دیکھ کر تو بےساختہ زبان سے یہ شعر نکل جاتا ہے۔

صنم کہتے ہیں تیری بھی کمر ہے
کہاں ہے کس طرف کو ہے کدھر ہے

آجکل ان کے محلہ میں ایک شخص مسمی بہادر خاں آکر آباد ہوا ہے یہ پہلے درجہ
کا عیاش وفضول خرچ ہے۔ اس کو اپنے کسی رشتہ دار کے مرنے پر ہزارہا
روپیہ ملا ہے۔ جسے یہ مال مفت سمجھ کر کوڑیوں کی لٹا رہا ہے۔ ایک
روز اس نے بدرالنساء کو اپنے کوٹھے پر کھڑے دیکھ لیا۔ دیکھتے ہی
ہزار ہا جان سے عاشق ہو گیا۔ دونوں ہاتھوں سے کلیجہ کو تھام لیا۔ اور
یہ اشعار زبان پر لایا۔ ؎

یوں تو معشوق ہزاروں ہیں جہاں میں لیکن
تم سا دنیا پر کوئی ہم نے طرحدار نہیں
بخدا جھوٹ نہیں اس میں ابھی حاضر ہوں
دل و جان دینے میں تم کو مجھے انکار نہیں

آخر نصیبن کو کچھ دے دلا کر گانٹھا اور اس کی لڑکی سے وصال چاہا پھر
کیا دیر تھی۔ یہ تو ایسے موقعہ کی منتظر تھی۔ سنتے ہی باچھیں کھل گئیں۔
ہاں اگر خیال تھا۔ تو بدرالنساء کی ضد کا تھا۔ کیونکہ وہ ان باتوں
میں والدہ کا کہا نہ مانتی تھی۔ اسے اپنی عصمت بہت عزیز تھی۔
جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا دل میں اپنی ماں سے متنفر رہتی
تھی۔ مگر نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔

معاملہ تھا۔ جب بہادر خان نے اپنی آرزو نصیبن پر ظاہر کی تو ان
دونوں میں یوں باتیں ہوئیں۔

نصیبن۔ مشکل تو یہ ہے۔ کہ میں اسے رضامند کیسے کروں۔

بہادر خاں۔ تم اسے سمجھاؤ۔

نصیبن۔ وہ سمجھانے سے ماننے والی نہیں۔ بڑی ضدن لڑکی ہے۔

بہادر خاں۔ پھر کرنا کیا چاہیئے۔

نصیبن۔ تم ہی کوئی تدبیر بتاؤ۔

بہادر خاں۔ تدبیر تو میں بہت عمدہ بتلا سکتا ہوں۔ بشرطیکہ تم اسپر عمل کرو۔

نصیبن۔ میں ضرور عمل کرونگی۔

بہادر خاں۔ مگر اسے معلوم نہ ہو۔

نصیبن۔ ہرگز نہیں۔

بہادر خاں۔ (الماری میں سے ایک کاغذ کی پڑیہ دیکر) لو یہ نشیلی دوا ہے۔

نصیبن۔ میں اسے کیا کروں۔

بہادر خاں۔ تم آج شام کو ہی یہ اسکے کھانے میں ملا دینا۔

نصیبن۔ اس سے کیا ہوگا۔

بہادر خاں۔ اس کے کھانے سے کچھ دیر وہ بیخبر سو جائیگی۔

نصیبن۔ پھر۔

بہادر خاں۔ جب تم دیکھو کہ اب اسے مطلق ہوش نہیں ہے تو تم مجھے فوراً اطلاع بھیجنا
نصیبن۔ میں آپ کا مطلب تو سمجھ گئی۔ مگر ایسا تو ایک روز کھیلا جا سکتا ہے
نہ کہ روز بروز۔ اور آخر کار جبکہ صبح کو اسے ہوش آئیگا۔ تو وہ بڑا شور مچائیگی
اور مجھے لعن طعن کریگی۔ مجھسے متنفر ہو جائیگی۔ اور کوئی تعجب نہیں
جو خودکشی پر آمادہ ہو جائے۔

بہادر۔ (مسکرا کر) نہیں نہیں ایسا ہرگز نہ ہوگا جب صبح کو وہ مجھ سا خوبصورت
جوان اپنے پہلو میں سوتا دیکھے گی۔ تو باغ باغ ہو جائیگی۔ اور میں ضرور
اپنے دل لبھانے والی باتوں سے اس کا دل قابو میں کروں گا۔ تم یہ دیکھ کر حیران

رہ جاؤ گی۔ کہ وہ کس طرح میرے ہی نام کا کلمہ پڑھنے لگی ہے۔ ۵۰ روپیہ کا
نوٹ ہاتھ میں دیکر۔ تم کسی بات کا فکر نہ کرو۔ اور میرے کہنے پر عمل کرو۔ میں
تمہیں مالا مال کر دوں گا۔

نصیبن۔ (دل میں خوش ہوکر اور اٹھ کر) جی اب بھی تو آپ کا دیا کھاتے ہیں
خدا آپ جیسوں کو سلامت رکھے۔ تو اب میں جاتی ہوں۔ اور شام پڑے آپ
کو بلانے جاؤں گی۔ آپ تیار رہنا۔

یہ کہکر نصیبن اپنے گھر آئی۔ اور شام کو حسب وعدہ پوڑیہ بدر النساء کے
کھانے میں ملا دی۔ تھوڑی دیر بعد اس بیچاری بھولی لڑکی کا جسکو ان باتوں کا
شان گمان بھی نہ تھا۔ سر چکرانے لگا۔ اور جمائیاں آنے لگیں۔ وہ اپنی طبیعت
کو بدمزہ دیکھ کر اپنے کمرہ میں جاکر ایک پلنگ پر لیٹ گئی۔ لیٹتے ہی اس کو گہری
نیند نے آ دبایا۔ وہ کئی گھنٹوں کے لئے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئی
نصیبن اسے ایسی حالت میں دیکھکر فوراً بہادر خاں کے پاس گئی۔ وہ پہلے ہی
اس کا منتظر بیٹھا ہوا تھا۔ فوراً اس کے ساتھ ہو لیا۔ نصیبن نے اُسے
بدر النساء کے کمرہ میں داخل کر دیا۔ اور خود نیچے جاکر ایک چارپائی پر سو گئی۔

ناظرین اب ہم کیا کہیں۔ صرف اتنا کہنا کافی ہے۔ کہ اس ظالم شہوت
پرست کے ہاتھوں معصوم بدر النساء کا دامن عصمت چاک ہو گیا۔ جب صبح کو اسے
ہوش آیا۔ تو وہ پہلو میں ایک غیر شخص کو سوتے دیکھکر حیران رہ گئی۔ اور
گھبرا کر اٹھنے لگی۔ مگر بہادر خان نے اپنے آہنی ہاتھوں سے اُسے پکڑ
کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

بدر النساء۔ آخر تم کون ہو۔

بہادر خاں۔ تمہارا عاشق۔ تمہارا جان نثار۔ تمہارا دلدادہ۔ تمہارا شوہر۔

بدر النساء۔ میرا شوہر۔ کیا کبھی میری شادی تمہارے ساتھ ہوئی ہے۔

بہادر۔ ہاں بیشک۔

بدر النساء۔ کب اور کہاں۔ اور میری شادی۔

بہادر۔ پیاری کل شام کو تمہاری والدہ نے ایک قاضی صاحب بلا کر تمہارا

عقد میرے ساتھ کر دیا۔ اور کہا کہ لو اب یہ تمہاری ہو چکی۔ میں اسکی اجازت پاکر تمام رات تمہارے پہلو بہ پہلو سویا۔ اب تمہیں مجھ سے منکر نہیں ہونا چاہئے تم میری اور میں تمہارا ہو چکا۔ اب ہم اپنی تمام عمر پیار و محبت عیش و عشرت میں بسر کرینگے۔ میں ہر طرح تمہیں آرام دینا اپنا فرض سمجھونگا۔ کل سے دو خادمہ تمہاری ٹہل کریں گی۔ گاڑی گھوڑا اسواری کے لئے ہو گا۔ کل تمہارے لئے ہزاروں روپیوں کا زیور اور سینکڑوں کا کپڑا تیار ہونے کے لئے دیدونگا۔ اب تم کو بھی چاہئے۔ ایک نیک بی بی کی طرح وفادار اور فرمانبردار ہو کر رہو۔

بدرالنساء۔ میں حیران ہوں۔ کہ تم یہ کس طرح کہتے ہو۔ کہ میرا عقد تمہارے ساتھ ہو چکا۔ جبکہ میں اس سے بالکل بے خبر ہوں۔ کہیں تم دیوانے نہیں ہو۔ تم میرے لئے ایک اجنبی ہو۔ میں تم سے بالکل واقف نہیں ہوں۔ یہ تو وہی مثل ہوئی۔ مان نہ مان خالہ جی سلام۔

بہادر۔ پیاری میں دیوانہ نہیں ہوں۔ تم بیشک مجھے جانتی ہو گی۔ لیکن تمہاری والدہ مجھ سے خوب واقف ہے۔ میں کوئی ایسا ویسا آدمی نہیں ہوں۔ مجھے راولپنڈی میں بچہ بچہ جانتا ہے۔ اور تمہاری ماں نے محض اس خیال سے کہ شائد تم قاضی صاحب آگے ہاں کرتے ہوئے شرما ڈیا انکار کر دو تمہیں کھوڑا اسا نشہ کھلا دیا تھا جس کے اثر نے تمہیں بڑی ہی خوشی کے ساتھ میری بی بی بنا دیا۔ یا یوں کہو کہ بے جان قالب میں روح پھونک دی۔

یہ کہکر اسنے بدرالنساء کے کئی بوسے لئے۔ اور چونکہ اب سورج نکلا ہی چاہتا تھا۔ اٹھ کر نیچے گیا۔ اور نعیمن کو اپنی چالبازیوں سے آگاہ کر کے کچھ نوٹ اس کے ہاتھ میں دیکر رخصت ہو گیا۔ اور ایک کرسی پر بیٹھ کر دل ہی دل میں کچھ سوچنے لگی۔

خوب۔

بدرالنساء۔ (دل ہی دل میں) میرے ساتھ دھوکہ ہی کیا گیا ہے۔ مجھے نشہ کھلا کر اس شادی پر رضامند کیا گیا ہے۔ یہ سب میری والدہ کے ہتھکنڈے ہیں

میں حیران ہوں کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ اگر یہ میری شادی اس کے ساتھ کرنا
چاہتی تھی۔ تو ظاہر کیوں نہ کی۔ ویسے کیا میں عذر کر سکتی تھی۔ کیا کوئی لڑکی اپنے
والدین سے یہ کہہ سکتی ہے۔ کہ میں اس شخص سے شادی نہیں کرتی۔ یا
فلاں سے کرنا چاہتی ہوں۔ آخر یہ ہے کون۔ ظاہرا تو شریف اور نیک
معلوم ہوتا ہے۔ اس کی باتوں سے صداقت اور ارادت ظاہر ہوتی ہے
پھر اس نے ایسی خفیہ شادی کیوں منظور کر لی۔ کیا جیسا کہ وہ کہتا ہے صرف
محبت کی وجہ سے۔ کیا اسے دراصل مجھ سے اُلفت ہے۔ معلوم تو ایسا ہی ہوتا
ہے۔ لیکن اس نے مجھ کو کہاں دیکھا ہے۔ میں تو اپنے گھر سے باہر کہیں نہیں
جاتی ہی۔ کمبخت نے صورت بھی تو غضب کی پائی ہے۔ اگر یہ میری عصمت
خراب نہ کر چکا ہوتا۔ تو یہ کیا خواہ یوسف بھی آتا۔ تو اسے کبھی میں اپنے دل میں
جگہ نہ دیتی۔ لیکن اب یہ کیا ہو سکتا ہے۔ جبکہ کمبخت والدہ میرا ہاتھ اس شخص کو
پکڑا چکی ہے۔ مانا کہ اس شخص میں کوئی نقص نہیں ہے۔ خوبصورت بھی ہے
امیر بھی ہے۔ شریف بھی ہے۔ لیکن غصہ تو اس بات کا آتا ہے۔ کہ میرے ساتھ
دہوکہ کیوں کیا۔ اور مجھے اسبات سے آگاہ نہیں کیا۔ اچھا اب تو مجھے اسی کی
ہو کر رہنا چاہئے۔ اور اسپر اعتبار کرنا چاہئے۔ امید ہے کہ مجھ سے وفا
نہ کرے گا۔ دل میں یہ فیصلہ کر کے بدرالنسا نے کمرہ کا دروازہ کھولدیا۔
نصیبن اندر آئی۔ اور اسے اپنے ہمراہ نیچے لے گئی۔ دونوں نے ملکر کھانا کھایا
اور اپنے روزمرہ کے کام کاج میں مصروف ہو گئیں۔ مگر اس بارے میں دونوں
نے ایک حرف بھی زبان سے نہ نکالا۔ رات کو بہادر خان پھر آموجود ہوا۔
آج بدرالنسا اس سے محبت سے پیش آئی۔ یہ دل میں خوش ہوا۔ کہ میرا جادو
چلگیا۔ اور نصیبن حیران ہوئی کہ اس نے کونسا سحر پھونک دیا۔

الغرض یہ معمول ہو گیا۔ کہ ہر روز رات کو بہادر خان ان کے مکان پر سوتا
ہے۔ اور دونکو اپنے گھر چلا جاتا ہے۔ اب بدرالنسا اور نصیبن بھی باہم خوش
رہتی ہے۔ اور اس کی بدولت چین کرتی ہے۔ اور بدرالنسا اور بہادر خانکو
اپنا اصلی شوہر خیال کرتی ہے۔ اب وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی ہے

باب دوم

سورج غروب ہوئے تقریباً آٹھ گھنٹے ہو چکے ہیں۔ رات اپنی سیاہ چادر میں تمام عالم کو لپیٹ چکی ہے۔ تارے جھپکیاں کر رہے ہیں۔ لیکن مہتاب عالم تاب نے اپنا منور چہرہ دکھایا۔ اس وقت نصیبن کے بالا خانہ میں ایک حسین عورت ایک نواری پلنگ پر بیٹھی ہوئی کسی کا انتظار کر رہی ہے۔ آہا اب تو یہ کمرہ کچھ اور سے اور ہی ہو گیا ہے۔ زمین پر اودی قالین بچھا ہوا ہے۔ چھت میں جھومر بند لگا ہے۔ دیواروں پر بڑی بڑی خوبصورت تصویریں آویزاں ہیں۔ دو جانب قد آدم شیشے دھرے ہیں۔ ایک گوشہ میں سنگار میز لگی ہوئی ہے۔ کھونٹیوں پر قیمتی لباس لٹکے ہوئے ہیں۔ اور نازنین کی آنکھیں دروازہ پر لگی ہوئی ہیں۔ اتنے میں دروازہ کھلا۔ اور ایک خوبصورت قد آور جوان اندر داخل ہوا۔ نازنین فرط طرب سے اچھل پڑی۔ اور یہ مصرعہ زبان پر لائی۔

آنکھوں کو ہو گیا مرض انتظار کا

نوجوان۔ پیاری بدرا ابھی تو عرصہ ہی کچھ نہیں۔ تم ایسی جلدی کیوں بے چین ہو جایا کرتی ہو۔

بدرالنساء۔ اے ہے تو تو کیا کچھ کم ہیں۔ نگوڑا مارا لمبا دن اکیلے بیٹھے کاٹے نہیں کٹتا۔

نوجوان۔ کیوں کیا تمہاری والدہ گھر میں نہیں رہتی۔

بدر۔ اے رہتی کو وہ کہاں جاتی ہے۔ مگر اس سے کیا کوئی دل بہلتا ہے۔

نوجوان۔ (مسکرا کر) پھر تمہارا دل کس سے بہلتا ہے۔

بدر۔ اے ہے کیا ننھے بنتے ہیں۔ انہیں معلوم تھوڑا ہی ہے۔

نوجوان۔ بھلا مجھے کسی کے دل کی کیا خبر۔

بدر۔ نہیں خیر تو نہ سہی۔

نوجوان ۔ تم میرا ہی مردہ دیکھو۔ جو نہ بتاؤ۔

بدر ۔ دتیکاہی ہو کر دیکھو جی منہ سبنھال کہ ذرا باتیں کیا کرو۔ مجھے ایسے چونچلے ایک آنکھ نہیں بھاتے۔

نوجوان ۔ پھر تم بتاتی کیوں نہیں۔

بدر ۔ تم سے اور کس سے۔

نوجوان ۔ پھر میں تو ہر روز تمہاری خدمت میں حاضر ہو ہی جاتا ہوں۔

بدر ۔ اے رات کے ۹ ، ۱۰ بجے آتے ہو۔ اور صبح ۴ ۔ ۵ بجے ہی اٹھکر چلے جاتے ہو۔ دن بھر تو شکل بھی نہیں دکھاتے۔

نوجوان ۔ پھر کیا دن کو بھی نہ جایا کروں۔

بدر ۔ جاؤ۔ کیوں نہیں مگر قاعدے سے۔

نوجوان ۔ جب میں اس قاعدے سے بھی واقف ہوں۔

بدر ۔ اے یہی کہ گھنٹہ دو گھنٹہ ادھر ادھر پھر آئے۔ پھر اپنے گھر میں آکر بیٹھے دو گھڑی ہنسے بولے دن کٹ گیا۔ اور یوں تو نگوڑا دن پہاڑ ہو جاتا ہے۔

نوجوان ۔ پیاری دن بھر گھر میں گھسے رہنے سے دوست احباب پھبتیں اڑانے لگتے ہیں۔ کیا تم مجھے دوستوں میں شرمندہ کرا کر خوش ہوا کرو گی۔

بدر ۔ اے ہے۔ کیا کسی مونڈی کاٹے کا کہہ دیتا ہے۔ کیا لوگ دوستوں کے کہنے سے اپنے گھر بار چھوڑ دیتے ہیں۔ آخر وہ کیا کہتے ہیں۔ میں بھی تو سنوں۔

نوجوان ۔ ایک کہتا ہے۔ اب تو نظر ہی نہیں آتے۔ عید کا چاند ہو گئے۔ دوسرا کہتا ہے شادی کیا کری۔ جورو کے غلام ہو گئے۔ تیسرا کہتا ہے۔ شاید چوڑیاں پہن لیں۔ چوتھا کہتا ہے۔ زن مریدی کا خطاب انہوں نے ہی پایا ہے۔

بدر ۔ لاحول ولاقوۃ۔ تمہارے دوست بھی تو عجیب آدمی ہیں۔ خیر تمام دن نہ سہی۔ مگر ایک آدھ پھیرا تو کر جایا کرو۔ میری تو تمہیں آنکھیں دیکھنے کو ترستی رہتی ہیں۔

نوجوان۔ کیا واقعی تم کو مجھ سے ایسی محبت ہے۔
بدر۔ میرے پیارے دل کے مالک۔ میری جان۔ میرے سر کے تاج۔ میرے منظور نظر بہادر خان۔ مجھے تم سے محبت ہی نہیں۔ بلکہ عشق ہوگیا ہے۔ میرا دل تم پر نثار ہونا چاہتا ہے۔ اور میری آنکھیں تمہارے دیدار سے سیر نہیں ہوتیں۔ ؎

بلبل کی زندگی گل و گلزار دیکھنا
اور میری زندگی تیرا دیدار دیکھنا

بہادر خان۔ (بوسہ لے کر) پیاری میرا بھی یہی حال ہے۔

نظر آیا ہے ہمیں جب سے تمہارا جوبن
گر گیا نظروں سے معشوقوں کا سارا جوبن

میری پیاری جان۔ اگر تو گل ہے۔ تو میں بلبل ہوں۔ تو سرو ہے تو میں قمری ہوں۔ تو شمع ہے تو میں پروانہ ہوں۔ تو ماہ ہے تو میں کتان ہوں۔ تو لیلےٰ ہے تو میں مجنون ہوں۔ تو شیریں ہے تو میں فرہاد ہوں۔ تو حسن آرا ہے تو میں آزاد ہوں۔ پیاری بدرالنساء خواہ تم کچھ ہی کہو۔ مگر میں تمہارا سچا عاشق اور جان نثار ہوں۔

بدر۔ خدا کرے ہم دونوں کی محبت میں ذرا بھی فرق نہ آئے۔

بہادر۔ میری جان یہ محبت کم ہونیوالی نہیں۔ یہ جان کے ساتھ جائیگی۔

عدم آباد کو جاتے ہیں بشر خالی ہاتھ
مجھکو ہے ناز کہ لے جاؤنگا الفت تیری

بدر۔ (کلاک کی طرف دیکھ کر) اوہو بارہ بجے چاہتے ہیں۔ تو یہ شب وصل کی گھڑی بھی کیسی جلدی گذرتی ہے۔ اس کی رفتار کے آگے ریل کی تیزی بھی مات ہے۔ یہ کہہ کر دونوں سو گئے۔ اور جب کلاک نے ۵ بجائے تو بہادر خان اٹھا اور بدرالنساء کو خوب سا پیار کر کے رخصت چاہی۔ تو بدرالنساء نے یہ شعر پڑھا

خدا کیواسطے جاؤ نہ چھوڑ کر مجھ کو
غم جدائی کے سہنے کی مجھ میں تاب نہیں

بہادر۔ ڈیئی یو سو ویکم) اچھا تم گھبراؤ نہیں۔ آج میں جلدی آ جاؤں گا۔ یہ
کہہ کر بہادر خان زینہ سے اُتر کر گلی میں سے ہوتا ہوا اپنے گھر کی طرف چلا
گیا۔ اور بدرالنسا چلمن کے پاس کھڑی ہو کر دُور تک اُسے دیکھتی رہی۔ حتیٰ
کہ وہ نظروں سے غائب ہو گیا۔

باب چہارم

بہادر خان کو بدرالنساء کے پاس آتے جاتے تقریباً ایک سال گذر گیا ہے
اس عرصہ میں اس آنکھوں کے اندھے اور گانٹھ کے پورے عاشق کو
بیگم نے دونوں ہاتھوں سے لوٹا ہے۔ اس وقت ان دونوں ماں بیٹیوں
کے پاس اس کی بدولت تقریباً ۱۵ ہزار کا زیور اور ہے ۵ سو کا اسباب
موجود ہے۔ انہیں کسی چیز کی کمی نہیں۔ رنج و غم ان کے پاس آنے سے
خوف کھاتا ہے۔ راحت و آرام ان پر نثار ہوتا ہے۔ بدرالنساء بہادر خان
کو دیکھ کر جیتی ہے۔ اور وہ بھی اس کی محبت کا دم بھرتا ہے۔ لیکن دیکھئے
آگے آگے کیا ہوتا ہے۔ کسی کے دن یکساں نہیں رہتے۔ فلک ستم
گار کسی کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

یہ دو دل کو یک جا بٹھاتا نہیں
کسی کا اسے وصل بھاتا نہیں

صبح کا وقت ہے۔ ہوا چل رہی ہے۔ نسیم سحر مردہ دلوں میں روح پھونک
رہی ہے۔ جسے دیکھو خوش اور مسرت نظر آ رہا ہے۔ مگر بدرالنساء اپنے
کمرے میں ایک پلنگ پر بیٹھی خلاف معمول زار زار رو رہی ہے۔ بال نوچ
ڈالے ہیں۔ کپڑے پھاڑ ڈالے ہیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا رواں
ہے۔ اور ہچکیوں کا تار بندھ رہا ہے۔ اتنے میں دروازہ کھلا۔ اور حسینن
نے اندر قدم رکھا۔ اس کے دیکھتے ہی مارے غصہ کے بدرالنساء کا چہرہ
سرخ ہو گیا۔

نصیبن نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہیں۔

نصیبن۔ (متحیر ہوکر) ہیں بیٹی بدرالنساء یہ تیرا کیا حال ہے۔

بدر۔ چپ رہ بدذات۔

نصیبن۔ نصیب دشمناں کیا پاگل ہوگئی ہے۔ ان آنسوؤں کا کیا مطلب ہے

بدر۔ اوہو۔ بوڑھیا قہر کی پڑیا دور ہو میری نظروں سے۔

نصیبن۔ یہ آج تجھے کیا ہوگیا ہے۔ جو ایسے گستاخی کے کلمات زبان سے
نکال رہی ہے۔ خدا نہ کرے کیا تیرے مغز میں فرق آگیا ہے۔

بدر۔ چل دور ہو شیطان کی خالہ۔

نصیبن۔ بڑی نالائق لڑکی ہے۔ تو۔

بدر۔ میں نالائق نہیں تھی۔ بلکہ ایک سعادت مند اور فرمانبردار لڑکی تھی۔
مگر افسوس تو نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔

نصیبن۔ جہانتک میرا خیال ہے۔ مینے کبھی تجھے تکلیف نہیں پہنچائی اور
نہ کبھی تیرا دل دکھایا ہے۔

بدر۔ ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر تو دیکھ۔ کیا تو نے میرے ساتھ دھوکہ
نہیں کیا۔ یا مجھے جال میں نہیں پھنسایا۔

نصیبن۔ (زور سے کھسانی ہوکر) مینے تو تیرے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں کیا

بدر۔ (زور دیکر) کیا تو نے اور اس تیرے یار بہادر خان نے مجھ سے فریب نہیں کیا۔

نصیبن۔ لڑکی منہ سنبھال اور ہوش کی دوا کر وہ تیرا یار ہے۔ کہ میرا۔ [illegible]
[illegible] سے خدا نہیں ہے۔

بدر۔ مینے اپنا وہ فرض پورا کیا تھا۔ جو ایک سعادت مند لڑکی کو کرنا چاہئے تھا۔
یعنی میں نے اپنا شوہر سمجھ کر اس سے محبت کی۔ تو کیا گناہ کیا۔ میں تمہاری
ان کرتوتوں سے واقف نہ تھی۔

نصیبن۔ (بے حیائی سے) آخر یہ راز تجھ پہ کھولا کس نے۔

بدر۔ (مارنی دوڑی) کٹنی۔ چڑیل۔ بھٹنی۔ میں حیران ہوں۔ تجھے کس نام سے
بلاؤں۔ کیا کوئی راز ہمیشہ پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ (زار زار روکر) الٰہی میرے

پیارے اباجان۔ اگر آپ اس وقت زندہ ہوتے تو آپ کی نصیبوں جلی بدر النساء
یہ روز بد کا ہے کو دیکھنا پڑتا۔ ہائے میرے ابا آپ کہاں ہیں۔ کیوں اپنی دکھیاری
بیٹی کو آپ نہیں بلا لیتے۔ اے زمین پھٹ جا۔ جو میں تجھ میں سما جاؤں
اف خدایا تو یہ ذلت اور رسوائی برداشت نہ ہوگی۔ کاش اس وقت
کے پہنچنے سے پہلے میں مر چکی ہوتی۔ اے ہندوستان بیکس تجھ میں ایسے ایسے نالائق
اور دغاباز والدین موجود ہیں۔ جو اپنی اولاد سے کبھی دھوکہ اور فریب
کئے بغیر نہیں رہتے۔ تو پار تیری ہونی ناممکن ہے۔ او ظالم بہادر خان
میں تجھے ایسا دغا باز اور مکار نہ جانتی تھی۔ بلکہ ایک شریف اور عالی
خاندان سمجھتی تھی۔ افسوس تو بڑا کمینہ اور رذیل نکلا۔ تو اس دن کس طرح
میری محبت کا دم بھرتا تھا۔ مگر آج رات کیسے طوطے کی طرح آنکھیں بدل لیں
اف اس دنیا میں کسی کا اعتبار نہیں۔ کوئی کسی کا دوست نہیں۔ کوئی
کسی کا وفادار یا غمگسار نہیں۔ ٹھیک ہے۔ جب والدین اپنی اولاد سے
دغا اور فریب کئے بغیر نہیں رہتے۔ تو پھر کسی کا کیا گلہ اور شکوہ ہے۔

نصیبن۔ پیاری بیٹی رو نہیں۔ ذرا صبر سے کام لے۔ اور یہ بتا کہ بہادر خان
کس بات سے ناراض ہوا ہے۔

بدر۔ میں تمہارے اس فریب سے بالکل بے خبر تھی۔ میں رات کو بڑے
لاڈ سے یوں کہا۔ کہ پیارے شوہر آج میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں گی
بد ہے۔ کہ تم بڑے خوش ہو گے۔ اس پر اس نے کہا۔ وہ کونسی خوشخبری
ہے۔ جلدی سناؤ۔

پہلے یہ بتاؤ کہ مجھے کیا انعام دو گے۔

بہادر۔ جو مانگو گی۔ وہی دوں گا۔ اب بھی سب تمہارا ہے۔

بدر۔ اچھا لو سنو۔ اب سے تقریباً ۵ ماہ بعد آپ ایک ننھے سے بچے
کے والد کہلانے کے مستحق ہونگے۔

یہ سنتے ہی اس پر مردنی سی طاری ہو گئی۔ اور لگا مجرموں کی طرح کانپنے
اس کی یہ حالت دیکھ کر میں حیران رہ گئی۔ اور میں نے پوچھا کہ تم کانپتے

کیوں رہو۔ اس نے میرے سوال کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور بہت دیر تک کسی خیال میں محو رہا۔ آخر بڑی دیر کے بعد یوں گویا ہوا۔

بہادرخاں - بدرالنساء میں اب تمہیں اصل معاملہ سے آگاہ کرتا ہوں ذرا غور سے سنو۔

میں۔ فرمائیے۔

بہادرخان - اصل یہ ہے۔ کہ تو میری منکوحہ بیوی نہیں ہے۔ اور میں نے تیری ماں کے [illegible] نے پر تجھ سے جھوٹ بولا تھا۔ اب میں تیری اولاد کا والد نہیں کہلا سکتا۔ اس میں میری بےعزتی ہے۔ میں تیرا شوہر نہیں بلکہ تیرا عاشق تھا۔ میں اپنا دل خوش کرنے کے لئے تیرے پاس آسوتا تھا۔ مگر بدنامی کے خیال سے کبھی دن میں تیرے مکان پر نہ آتا تھا۔ تو مجھے بے وفا خیال نہ کرنا۔ میرے دل میں ابھی تیری محبت کا جزو باقی ہے۔ مگر میں لاچار ہوں۔ اور اب مجھے تجھ سے تعلق قطع کرنا لازمی ہے۔ امید ہے کہ آج کے بعد کبھی میری شکل نہ دیکھے گی۔

ان الفاظوں نے مجھ پر بجلی گرادی۔ اور میں غش کھاکر اپنی چارپائی پر گر پڑی۔ معلوم نہیں۔ کہ یہ حالت مجھ پر کتنی دیر طاری رہی۔ جب مجھے ہوش آیا۔ تو میں نے بہادرخان کو غائب پایا۔

نصیبن۔ اری بیوقوف ذری اپنے زیور کی صندوقچی تو دیکھ۔ کہیں وہ بھی نہ لے کر چمپت ہو گیا ہو۔

بدر۔ نہیں وہ موجود ہے۔ بلکہ اس کے علاوہ وہ چلتے وقت دو سو روپے کے نوٹ میرے تکیہ کے پاس چھوڑ گیا ہے۔

نصیبن - الٰہی تیرا شکر۔

بدر۔ لیکن میں اب کیا کرونگی۔ کسی طرح پر یہ حمل ضائع کر دیا جا سکتا ہے۔

نصیبن - نہیں اس میں تیری جان کا خطرہ ہے۔

بدر۔ مجھے اپنی جان کی کچھ پرواہ نہیں۔

نصیبن - مجھے تو ہے۔ میں تو تجھے ہی اپنی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور سمجھتی ہوں

بدر۔ اور مجھے بچہ سے سخت نفرت ہے۔
نصیبن۔ میں اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتی۔
بدر۔ تاہم اب کیا کرنا چاہیئے۔ بچہ ہونے پر تو میری بڑی رسوائی ہوگی۔
نصیبن۔ تو بے فکر رہ۔ میں سب انتظام کر دونگی۔ آخر یہ چونڈا دھوپ میں سفید نہیں کیا۔
راوی۔ اس میں کیا شک ہے۔ ایسے ایسے معاملات تو تمہیں سینکڑوں مرتبہ پیش آئے ہونگے۔ تھوڑی دیر بعد نصیبن بہادر خان کے مکان پر گئی کہ اگر ہو سکے تو اسے جا کر سمجھاؤں۔ شائد وہ اس سے نکاح پر رضامند ہو جائے۔ مگر وہاں کیا تھا۔ مکان خالی پڑا تھا۔ اسباب کا نشان نہ تھا۔ لوکروں کا نام بھی نہ تھا۔ گھوڑا گاڑی غائب تھے۔ اور بہادر خان کا خود تھے۔ نہ معلوم انہیں زمین کھا گئی۔ یا آسمان نگل گیا۔ یہ نصیبن دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اور بے نیل و مرام اپنے گھر واپس آگئی۔

باب چہارم

آدھی رات کا وقت ہے۔ تمام کائنات پر اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ مہتاب نام و نشان نہیں ہے۔ آسمان سوتا پڑا ہے۔ چاروں طرف سناٹا پڑا ہے۔ حرمان نصیب بستر یاس پر پڑے ہوئے کروٹیں بدل رہے ہیں۔ اور خوش نصیب لوگ معشوقان سیمتن بدن کو کناروں پر لئے خواب غفلت میں مدہوش ہیں وہ دنیا سے فراموش ہیں۔ اسوقت بدرالنساء ایک چارپائی پر لیٹی ہوئی دردزہ کی تکلیف میں ہائے ہائے کر رہی ہے۔ اس کے پاس ہی نصیبن بیٹھی ہوئی خدا سے دعا مانگ رہی ہے۔ کہ اے پروردگار میری بچی کو جلد اس تکلیف سے نجات دی۔ ناظرین خدا منصف تو ضرور ہے۔ وہ نیکوں کی نیکی کی جزا اور بدوں کو بدی کی سزا ضرور دیتا ہے۔ مگر وہ رحیم بھی ضرور ہے اس نے بہت جلد بدرالنساء کی اس تکلیف سے خلاصی کی۔ تھوڑی دیر

بعد اس کے بطن سے دو خوبصورت بچے بن بیرہ منت ایک لڑکا اور ایک لڑکی
بھی پیدا ہوئے۔ اور نصیبن نے دائی کا کام کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب بدرالنسا
کی طبیعت ذرا سنبھلی۔ تو اپنی والدہ سے یوں گویا ہوئی۔

اب کیا کرنا چاہیئے۔ ان بچوں کو کہاں چھپانا چاہیئے۔ (گڑگڑا کر) میری
پیاری اماں خدا کے واسطے مجھے ذلت اور رسوائی سے بچاؤ۔ اور رو کر
اللہ جلدی کوئی سبیل انہیں گم کرنے کی نکالو۔ ہائے میرے اللہ جو لاولد ہیں
انہیں تو ایک لڑکی بھی نہیں دیتا۔ اور مجھ کمبخت کو جس کے نہ والد ہیں۔ نہ
دیہ ہیں۔ اور نہ شوہر نہ کوئی عیب پوشی کرنے والا ہے۔ نہ سرپرست۔
جسے اولاد کی ذرا بھی ضرورت نہیں۔ اور جو گناہوں کی زنجیروں میں جکڑی
ہوئی ہے۔ اسے ایک کی عوض دو بچے دیتا ہے۔

بھلا میں کیسے انہیں اپنی نظروں کے سامنے رکھ سکتی ہوں۔ اُف
ایسی زندگی سے تو ہزار درجہ بہتر ہے۔ وائے بر حال ما۔ اگر سنتی اور دیکھتی آئی
ہوں۔ کہ سینکڑوں اور ہزاروں زچائیں وقت وضع حمل فوت ہو جاتی ہیں
مگر مجھ کمبخت کے سامنے آنے سے تو ملک موت بھی خوف کھاتا ہے۔ اے
اجل آ۔ مجھے اس وقت تیری از حد ضرورت ہے۔

نصیبن۔ لڑکی چپ رہو۔ کیوں ناحق رو رو کر جی ہلکان کئے ڈالتے ہو۔
دیکھتی رہو میں ابھی سب بندوبست کئے دیتی ہوں۔ (دل میں) اب مجھے
چاہیئے۔ کہ ان دونوں بچوں کو کہیں ایسی جگہ چھپا آؤں کہ جہاں کسی کو ہماری
طرف سے شک و شبہ ہی نہ ہو۔ کیونکہ ان کے ہوتے ہی ہوئے کبھی کوئی بدر
النساء کا مالدار عاشق پیدا نہ ہوگا۔ لوگ اسکو ادھیڑ خیال کرینگے۔ تو امید ہے
کہ ضرور میرا کہنا مان لے گی۔ اور اپنی لاثانی خوبصورتی سے ہزاروں کے دل
چرانے میں کامیاب ہوگی۔ یہ سوچ کر وہ اٹھی۔ اور گھر میں سے ایک
سیاہ لباس نکال کر سر سے پاؤں تک خوب اوڑھ لیا۔

بدر۔ اب کہاں جانے لگی۔

نصیبن۔ کہیں نہیں۔

نصیبن ۔ لا بچے کو میرے حوالہ کر ۔ میں انہیں کسی جگہ ڈال آتی ہوں ۔ اگر ان
کی زندگی ہوگی ۔ تو کوئی نہ کوئی خدا کا بندہ انہیں اٹھا کر پال لیگا ۔ ورنہ موت
میں کسی کا چارہ نہیں ۔

بدر ۔ اور کسی نے تمہیں دیکھ لیا تو پھر ۔

نصیبن ۔ اپنی طرف سے تو پھونک پھونک کر قدم رکھوں گی ۔

بدر ۔ اے میرے خدا میں ان ننھی سی جانوں کو تیرے سپرد کرتی ہوں
تو ان کا محافظ اور نگہبان ہو ۔ اتنا کہتے ہی بدرالنسا کو تو غش آگیا ۔ اور نصیبن
نے اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر دونوں معصوموں کو اٹھا کر ایک پرانی گودڑی
میں لپیٹ کر لبادہ میں چھپا لیا ۔ اور آہستہ آہستہ گھر سے باہر
ہو لی ہوئی آگے چلتی جاتی تھی ۔ اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ چاروں طرف
دیکھتی جاتی تھی ۔ کہ مبادا کوئی دیکھ نہ لے ۔ یا کوئی اس کا تعاقب تو نہیں کر
رہا ۔ مگر کسے غرض پڑی تھی ۔ جو اس کالی اور اندھیری رات میں شب یلدا
شب دیجور میں اس کے پیچھے آتا ۔ یہ اپنی گلی سے نکل کر باہر سڑک کی
طرف ہو لی ۔ اور درختوں کی آڑ میں آہستہ آہستہ چلکر کمپنی باغ کے قریب
اور ندی کے کنارے پر پہنچی ۔ وہاں پہنچکر آہستہ سے لبادہ میں سے نکال کر دونوں
بچوں کو گودڑی میں لپیٹ کر حفاظت سے زمین پر رکھ دیا ۔ اور خود بہت
جلدی جلدی قدم اٹھا کر اپنے گھر کا راستہ لیا ۔ جب گھر پہنچی تو بدرالنسا
کو اپنا منتظر پایا ۔

بدر ۔ کہو ۔ کہاں پھینک آئی ۔ (آہ بھر کر) کیا ندی میں بہا آئی ۔

نصیبن ۔ نہیں ایک محفوظ جگہ رکھ آئی ہوں ۔ امید ہے ۔ دن نکلتے ہی کسی
نہ کسی کو نظر پڑ جائیں گے ۔

بدر ۔ اچھا خدا کے حوالے ۔ جو ہو سو ہو ۔

نصیبن ۔ لے اب تو آرام کر ۔ تھوڑی دیر سو رہو ۔ ورنہ بیمار ہو
جاؤ گی ۔

اس کے بعد دونوں ... اپنی اپنی جگہ ... لیٹ گئیں ...

باب پنجم

جس محلہ میں نصیبن کا مکان تھا۔ اس میں سوائے اس کے سبب ہندو آباد تھے
اول تو ذات کے اختلاف سبب کسی محلہ والی کا اسکے یہاں آنا جانا نہ تھا۔ ناہی
دوسرے کوئی شریف زادی اس بدمعاش عورت کے ساتھ بولنا بھی پسند
نہ کرتی۔ اس کے اپنی برادری کے مسلمان دیگر محلوں میں بہت کچھ آباد
تھے۔ مگر یہ کسی سے کچھ واسطہ نہ رکھتی تھی۔ اور نہ ہی کوئی بدرالنساء کی
ہجولی یادگار نہ تھی۔ کہ جس کی ان کے یہاں آمد و رفت ہوتی۔ پس انہیں
اسباب سے اس پر اسرار عورت کے گھر کا حال کسی پہ مطلق ظاہر نہ ہونے پایا
تھا۔ گو بہادر خاں ان کے یہاں برس ڈیڑھ برس تک آنا جانا رہا۔ مگر اس
معاملہ کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ اور اگر کبھی کوئی عورت اسے اسکے
مکان سے نکلتے دیکھ بھی لیتی تھی۔ اور پھر کبھی اس سے سوال کرتی تھی۔ کہ بہن وہ
کون شخص تھا۔ جو فلاں وقت تیرے مکان سے نکلا تھا۔ تو یہ اسے اپنا بھائی یا
دیور بنا کر بات ٹال دیا کرتی تھی۔ بہادر خان کے جانے کے بعد جب بدرالنساء کا
پیٹ دن بدن بڑھنے لگا۔ تو اس نیک اور باحیا لڑکی نے اپنے کوٹھے پر چڑھنا
یا کھڑکی میں چلمن کے پاس کھڑے ہونا بھی ترک کر دیا تھا۔ اور جب کہ محلہ والی
نصیبن سے یہ کہتی کہ بہن اب تو تیری بدرالنساء کبھی نظر نہیں آتی۔ تو یہ جواب دیا
کرتی تھی۔ کہ وہ کچھ عرصہ سے اپنے ماموں کے ہاں دہلی گئی ہوئی ہے۔ گو کوئی
محلہ والی اسے منہ لگانا پسند نہ کرتی تھی۔ تاہم جب کبھی اس کا دل کسی سے ذرا
بولنے کو چاہتا۔ تو یہ اپنے مکان کے باہر چبوترے پر آ کر بیٹھ جایا کرتی۔
اور کسی آتے جاتے سے کچھ تھوڑا بہت بول چال لیا کرتی تھی۔ چنانچہ
آج بھی نصیبن اپنے مکان کے چبوترے پہ ایک بڑا پیچھائے بیٹھی ہوئی ہے
اور اس کے مقابل کے مکان والے چبوترے پہ ایک بڑھیا کھڑی بیٹھی
کپڑے دھو رہی ہے۔ ڈنڈے سے کپڑے کوٹتی ہے۔ اور نصیبن سے باتیں

کرتی جاتی ہے۔

بڑھیا۔ اری نصیبن تو نے بھی کچھ سُنا ہے۔

نصیبن۔ کیا؟ میں نے تو کوئی بات نہیں سُنی۔

بڑھیا۔ میرے لڑکے آج مجھے ایک اچنبے کی بات سنائی ہے۔

نصیبن۔ کون سے لڑکے نے۔

بڑھیا۔ کنہیا لال نے۔

نصیبن۔ وہی نہ جو پولیس میں محرر ہے۔

بڑھیا۔ ہاں۔

نصیبن۔ بات کیا سنائی ہے۔

بڑھیا۔ بات تو کئی روز کی ہے۔ مگر اس نے مجھے آج ہی سنائی ہے۔

نصیبن۔ تاہم کونسی بات ہے۔

بڑھیا۔ کہتا تھا۔ کہ سنیچر والے روز ایک شخص نے صبح ہی آکر پولیس میں اطلاع
کہ کمپنی باغ کے نزدیک گنگا ندی کے کنارے ایک گودڑی میں لپٹے ہوئے
دو بچے پڑے ہیں۔ اور معلوم نہیں کون پھینک گیا ہے۔ یہ سنتے ہی
پولیس کے سپاہی دوڑے گئے۔ اور اُن کی اُن بچوں کو پولیس میں لے
آئے۔

نصیبن۔ (تجاہل عارفانہ کر کے حیرت سے) بچے۔

بڑھیا۔ ہاں۔

نصیبن۔ کاہے کے۔

بڑھیا۔ لے آدمی کے۔ اور کاہے کے۔ اتنی بات بھی نہیں سمجھتی۔ بھلا اگر کسی جانور
کے ہوتے تو پولیس کاہے کو دوڑنے لگی تھی۔

نصیبن۔ حیرت کا مقام ہے۔

بڑھیا۔ حیرت سی حیرت۔

نصیبن۔ کوئی بڑا ہی سنگدل ہوگا۔ جو اپنے دو بچوں کو وہاں پھینک آیا۔ ورنہ
اپنے جگر کے ٹکڑے کس سے پھینکے جاتے ہیں۔

بڑھیا۔ بہن یہ سب حرامکاری کے نتیجے ہوتے ہیں۔ ورنہ اولاد سی چیز کے بڑی ہی لگتی ہے۔

نصیبن۔ پھر پولیس نے انہیں کیا کیا۔

بڑھیا۔ عدالت کے حوالے۔

نصیبن۔ عدالت نے۔

بڑھیا۔ سرکار کی طرف سے یہ منادی شہر میں کرادی گئی کہ اس طرح پر دو لاوارث بچے پڑے ملے ہیں۔ جو شخص ان کی بخوبی پرورش کر سکے۔ وہ عدالت میں آکر سوال کرے اور اسے بچے اور اس کی پرورش کا خرچ سرکار سے ملیگا۔

نصیبن۔ پھر کوئی شخص آیا۔

بڑھیا۔ ہاں پہلے ایک شخص آیا۔ جس نے آکر بیان کیا کہ میں ڈاکٹر محمد خان لاہور کے ہسپتال میں ۱۵۰ روپے ماہوار کا ہوس سرجن ہوں۔ میں آج ہی کسی کام کے لئے راولپنڈی آیا تھا۔ کہ میں نے سرکاری منادی سنی۔ اور چونکہ میں لاولد ہوں۔ لہذا لڑکے کا طلبگار ہوں۔ میں سرکار سے اسکے خرچ کے لئے کچھ روپیہ نہیں مانگتا۔ مجھے صرف لڑکا چاہئے۔ میری بیوی اس کی پرورش بڑی عمدہ طور پر کرے گی۔ اور اگر میری عمر نے وفا کی تو میں اسے اعلےٰ درجہ کی تعلیم دونگا۔

نصیبن۔ پھر اسے لڑکا مل گیا۔

بڑھیا۔ ہاں اور وہ اسے لیکر اسی روز لاہور چلا گیا۔

نصیبن۔ اور لڑکی کیا ہوئی۔

بڑھیا۔ اسے صدر بازار راولپنڈی کا ایک سوداگر اسمی عمر بخش جو لاولد تھا۔ لے گیا۔

نصیبن۔ چلو دونوں بچے اچھی جگہ چلے گئے۔

بڑھیا۔ ہاں ایشور لینے والوں کی آنما ٹھنڈی کرے۔ اور پھینکنے والوں کو کوڑ کوڑ رزق مار ہو۔

نصیبن۔ ہاں بہن جیسا کوئی کرے گا ویسا ہی بھریگا۔ مگر پولیس والوں نے یہ کیوں

نہیں تحقیق کیا۔ کہ یہ کس شیطان کا کام ہے۔ اللہ کرے ظالم پر علم مردار کا علم ٹوٹے معلوم نہیں نگوڑوں کے کیسے پتھر دل ہوتے ہیں۔ جو ایسی ننھی ننھی جانوں کو گھر سے باہر پھینکتے بھی ان کے کلیجے نہیں ہلتے۔ ورنہ پیٹ کی مامتا تو بُری ہوتی ہے۔ بہن میرا تو یہ خیال ہے۔ کہ جہاں ذرا بدرالنساء آنکھوں سے اوجھل ہوئی۔ اور میرا دل بے چین ہوا اب جس روز سے وہ ماموں کے ہاں گئی ہے۔ جس طرح میں گھڑیاں گن گن کر نکالتی ہوں۔ میرا ہی دل جانتا ہے۔

بڑھیا۔ پولیس نے کوشش تو بہت کی۔ گلی گلی دائیوں اور مہتروں سے دریافت کیا۔ مگر کچھ پتہ نہ چلا۔

نصیبن۔ اسوقت مجھے اپنی بچی بڑی یاد آرہی ہے۔ (مصنوعی آنسو ڈالکر) اگر پاس آتی تو اسے کلیجہ سے لگاتی۔ مجھے اس کے بغیر کھانے کو دوڑتا ہے۔

بڑھیا۔ اے تم اسے بلا کیوں نہیں لیتی۔ اب وہ جوان ہو گئی ہے تمہیں کچھ اس کی شادی کی فکر کرنی چاہیئے۔

نصیبن۔ ہاں اب دو چار روز میں اسے بلانے والی ہوں۔ مجھے خود اس کی شادی کا خیال ہے۔ مگر کیا کروں۔ میں عورت ذات کہاں لڑکا تلاش کروں اور کیسی شادی کروں۔ (بڑے بڑے آنسو ڈالکر) اگر اس کا والد زندہ ہوتا تو وہ کب کی بیاہی ہوتی۔ اے خدا تو عورتوں کو مردوں کے پہلے اُٹھا لیا کر اور کسی عورت کو رنڈاپا نہ دکھایا کر۔ یہ کہکر منہ پر آنسو ڈالکر رونے لگی۔

بڑھیا۔ نصیبن صبر کر۔ اب رونے سے کیا ہوتا ہے۔ ایشور کو یہی منظور تھا۔ اب تو کسی نیک لڑکے سے اپنی بیٹی کی شادی کر دے۔ اور داماد کو بھی اپنے ہی ہاں رکھ لیں۔ ورنہ تو اکیلی رو رو کر مر جائیگی۔

نصیبن۔ (دستہ کپڑا لیتے ہوئے) ہاں بوا ایسا ہی کرونگی۔

اسکے بعد نصیبن آنچل سے مصنوعی اشکوں کو پونچھتی ہوئی اپنے گھر میں چلی گئی۔ اور وہ عورت بھی تمام دھوئے ہوئے کپڑے اٹھا کر گھر میں گھس گئی۔

جب نصیبن بڑھیا سے باتوں میں مشغول تھی۔ تو بدرالنساء ایک دوسرے
کمرہ میں جو نصیبن سے بہت نزدیک تھا۔ بیٹھی سب باتیں سن رہی تھی
اور اپنی ماں کی عیاری پر لعنت بھیج رہی تھی۔ جب اس نے اپنے بچوں کے
متعلق یہ سنا۔ کہ وہ اچھی جگہ پہنچ گئے ہیں۔ تو اسے گونہ تسلی ہو گئی۔ نصیبن
باہر سے آکر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اور بڑھیا کی بتلائی ہوئی باتوں کو
دہرانے لگی۔ بدرالنساء اس کی سب باتوں کو نیم توجہ سے سنتی رہی
اور اُسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتی رہی۔

باب ششم

لاہور میں سرکاری ہسپتال کے نزدیک لب سڑک ایک مختصر
کوٹھی میں ایک نازنین مہ جبین کرسی پر بیٹھی ایک اردو اخبار دیکھ رہی
تھی۔ عورت جو وضع قطع سے خادمہ معلوم ہوتی تھی۔ ہاتھ میں ایک
لفافہ لئے ہوئے باہر آئی۔

نازنین نے اخبار کو میز پر رکھدیا۔ اور خط لیکر چاک کرکے پڑھنے لگی
نازنین۔ اری کریمن (خادمہ کا نام) جاکر سائیں سے کہو۔ کہ فوراً گاڑی
جوت کر اسٹیشن پر لے جاوے ڈاکٹر صاحب دو بجے کی گاڑی میں آنیوالے ہیں
کریمن دوڑی گئی۔ اور تھوڑی دیر بعد آکر کہنے لگی۔ حضور سائیں گاڑی لے
گیا۔ نازنین پھر اخبار اٹھاکر پڑھنے لگی۔ کچھ دیر بعد گاڑی کے پہیوں کی
آواز کانوں میں سنائی دی۔ تو نازنین نے کریمن سے کہا اری جاکر دیکھ
یہ کہیں کی گاڑی آئی ہے۔ کریمن پھر باہر دوڑ گئی۔ اور واپس آکر کہنے
حضور ڈاکٹر صاحب آگئے ہیں۔ اتنے میں ڈاکٹر صاحب ایک شخص سے بچے
کو ہاتھوں پر اٹھائے اندر داخل ہوئے اور کریمن باہر چلی گئی۔
ڈاکٹر۔ پیاری بیگم لو۔ میں تمہارے لئے راولپنڈی سے یہ سوغات لایا
یہ کہہ کر بچہ بیگم کی گود میں دیدیا۔

بیگم۔ (وہی نازنین) پیارے شوہر آپ یہ کس کا بچہ اٹھا لائے ہیں۔
ڈاکٹر۔ بیگم اب یہ تیرا ہے۔ چونکہ تیری کوئی اولاد نہ تھی۔ لہذا یہ تیرے لئے
خدا نے غائب سے عطا فرمایا ہے۔
بیگم۔ تاہم یہ آپ کو کہاں سے ملا۔
ڈاکٹر۔ جس روز میں راولپنڈی پہنچا۔ اسی روز میں نے اس پر منادی ہوتے
دیکھی۔

کڑدھم کڑدھم کڑدھم کڑدھم کڑدھم کڑدھم

خلق خدا کی ملک بادشاہ کا حکم جرنیل صاحب بہادر۔۔۔ کل صبح دو
لاوارث بچے ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے۔ لئی ندی کے کنارے پڑے
پائے گئے ہیں۔ جس شخص کو پھینکنے والے کا کچھ سراغ معلوم ہو یا کسی پہ
شک ہو۔ وہ پولیس میں آکر اطلاع دے۔ اس کو عدالت سے انعام ملیگا۔
جو شخص ان بچوں کو پالنے کی ذمہ واری لینا چاہے۔ وہ عدالت میں آکر
سوال کرے۔ اسے بچہ اور اس کی پرورش کا خرچ سرکار سے ملیگا۔

کڑدھم کڑدھم کڑدھم کڑدھم کڑدھم کڑدھم

یہ سنتے ہی میں عدالت میں پہنچا۔ اور تمہارے لئے یہ لڑکا مانگ لایا۔
پیاری اب تم اسے اپنا سمجھکر خوب پیار سے رکھو۔ اُمید ہے کہ میں آئندہ
تمہیں لاولدی کے غم سے کڑھتے نہ دیکھوں گا۔
بیگم۔ (بچہ کو چھاتی سے لگا کر اور منہ چوم کر) بڑا پیارا بچہ ہے۔ ہائے کمبخت
پھینکنے والے تجھ سے یہ لعل کیسے پھینکا گیا۔ یا خدا تیرا شکر ہے۔ کہ تونے مجھ
بدنصیب کو بھی بچہ کی صورت دکھائی (ڈاکٹر سے) اب اس کا کوئی عمدہ سا
نام تجویز کرو۔ مگر ایسا ہو جو کہ آپ کے نام پر ہی ہو۔
ڈاکٹر۔ ہوں۔ اچھا میرا نام محمد خان ہے۔ اور اس کا نام محمود خان رکھو تو۔
بیگم۔ ہاں۔ یہ بڑا عمدہ نام ہے۔ بس آج سے اس کو محمود کہہ کر ہی بلایا کرو۔
(خیال کے آنے پر پریشان ہو کر) پیارے ڈاکٹر ایسا نہ ہو۔ کہ اس کے
ماں باپ کا پتہ چلنے پر یہ ہم سے چھین لیا جاوے۔

ڈاکٹر۔ نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ تم مطمئن رہو۔ اور آج سے اسے اپنا ہی سمجھو۔
اگر اس کے وارثوں کا کچھ پتہ لگا بھی۔ تو عدالت انہیں پوری پوری سزا
دے گی۔ نہ کہ پھر بچہ پھیر دے۔

بیگم۔ اچھا تو اب اسے انا کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر۔ کریمن او کریمن ادھر آ۔

کریمن۔ جی حضور۔

ڈاکٹر۔ جا اس بچہ کے لیئے انا تلاش کر لا۔

کریمن۔ حضور لاہور میں انا کہاں ہے۔

ڈاکٹر۔ سبب۔ موجب۔ جہت۔

کریمن۔ حضور لاہور میں تو انا ملتی ہی نہیں۔ معلوم نہیں کیا سبب ہے۔
ابھی کوئی ایک ہفتہ کا ذکر ہے۔ کہ میرے محلہ میں ایک کشمیری پنڈت
کی عورت ہم روز کا لڑکا چھوڑ کر مر گئی ہے۔ حضور ان بیچاروں نے ۱۳ روز
تک بہتری لاہور کی خاک چھانی۔ چپہ چپہ زمین ڈھونڈ ماری مگر کوئی انا نہ ملی

ڈاکٹر۔ پھر انہوں نے کیا کیا۔

کریمن۔ پھر انہوں نے آگرہ کو تار دے وہاں سے انا بلائی۔

ڈاکٹر۔ ہاں مجھے بھی یاد آ گیا۔

یہ کہکر اُٹھ کر میز کے قریب کرسی پر جا بیٹھا۔ اور اس مضمون کا ایک تار
آگرہ کے زنانہ ہسپتال کو لکھا۔ ہمیں ایک تندرست انا کی ضرورت ہے۔ فوراً
بھیج دیجئے۔ جو تنخواہ آپ تجویز کریں گے۔ ہمیں منظور ہے۔ سفر خرچ
کے لیئے ۵۰ کا منی آرڈر بھیجتا ہوں۔

پھر پتہ لکھ کر باہر لے گئے۔ اور اپنے ملازم کے ہاتھ تار گھر کو تار اور
ڈاکخانہ کو روپیہ روانہ کر دیئے۔

ایک ہفتہ بعد انا آ گئی۔ اور چھوٹے میاں محمود خان بڑی عمدہ طور
پر پرورش پانے لگا۔ بیگم اسے اپنی آنکھوں کا نور اور ڈاکٹر صاحب کا سرور دل سمجھتی
تھیں۔ دونوں میاں بیوی اسی کو دیکھ کر جیتے تھے۔ اور اپنی اصلی اولاد کی طرح ا

سے محبت کرتے تھے۔

باب ہفتم

اس معاملہ کو ۱۶ سال گذر گئے۔ اس عرصہ میں بچے جوان ہو گئے۔ جوان سفید ریش اور خم کمر ہو گئے۔ بوڑھے کمروں میں جا سوئے لڑکیاں مائیں ہو گئیں۔ اور مائیں دادائیں کہلانے لگیں۔ عورتیں ہزاروں بیوہ ہو گئیں۔ اور لاکھوں بچے یتیم ہو گئے۔ ہزاروں غریب امیر ہو گئے۔ اور لاکھوں امیروں کے دیوالے نکل گئے۔ ہزاروں عاشق معشوق مل گئے۔ اور لاکھوں ناشاد اور نامراد چل دئے۔ پچاسوں جنگل آباد ہو گئے۔ اور سینکڑوں شہر آباد ہو گئے۔ غرض زمانہ نے طرح طرح کے انقلاب دکھائے۔ اور وہ محمود خان جسے آپ ڈاکٹر صاحب کی گود میں آئے دیکھتے تھے۔ اب ویسا ننھا بچہ نہیں رہا۔ اب وہ ۱۶ برس کا خوبرو جوان ہو گیا ہے۔ حسن پھٹا پڑتا ہے۔ مسیں بھیگنے لگی ہیں۔ انٹرنس پاس کر چکا ہے۔ غرض نہایت خوبصورت ہے۔ اور ذہین ہے۔ ڈاکٹر محمد خان اب پہلے سے توانا تندرست نہیں ہیں۔ ان کے بال روئی کے گالے کی طرح سفید ہو گئے ہیں۔ دانت ہل گئے ہیں۔ اور اکثر درد جگر میں مبتلا رہتے ہیں۔ بیگم بھی اب پہلی سی حسین نہیں رہی۔ بالوں میں اکثر خضاب لگائے رہتی ہے۔ مگر چہرہ کی جھریاں بڑھاپے کو کب پوشیدہ رہنے دیتی ہیں۔ ان کا سرو جیسا قد کسی قدر خمیدہ ہو گیا ہے۔ اور دودھ جیسا رنگ زرد پڑ گیا ہے۔ مدت ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب نوکری سے استعفا دے چکے ہیں۔ اور اپنا پرانی انار کلی میں ایک پختہ اور کشادہ مکان میں جو ڈاکٹر صاحب کا اپنا بنوایا ہوا ہے بود و باش کرتے ہیں۔ ان کا نام تمام لاہور میں مشہور رہے۔ بچہ بچہ ان کے نام اور مکان سے واقف ہے۔ ان کے دست مبارک سے ہزاروں مریضوں کو شفا کلی حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے ان کے مکان پر ہر وقت مریضوں کی بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب گھر بیٹھے ہی ۳۰۰۔۴۰۰ روپیہ ماہوار کما لیتے ہیں۔ ہر دلعزیز میاں

بیوی گو بوڑھے اور کمزور ہو گئے ہیں۔ مگر انکے دلوں میں نیکی اور رحمدلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ہر بندہ خدا سے انہیں ہمدردی ہے۔ اور حتی الوسع ہر ایک کی مدد کرنے کو تیار رہتے ہیں۔

شام کا وقت ہے۔ اور ڈاکٹر محمد خان معہ بیگم اور محمود خان کے اپنے مکان میں بیٹھے چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ کہ باہر کوئی گاڑی ٹھہرتی ہوئی معلوم ہوئی اور بوڑھی کریمن جو ابھی تک انکے یہاں ہی ملازم ہے۔ اندر داخل ہو کر کہنے لگی۔ حضور ایک شخص آپ سے ملاقات کرنے آیا ہے۔

ڈاکٹر۔ کون ہے۔ جاؤ جاکر ڈرائنگ روم میں بیٹھو۔ ہم ابھی آتے ہیں۔

کریمن۔ حضور میں نے تو ان سے کہا تھا۔ کہ چلکر اندر بیٹھے مگر وہ گاڑی سے اترتے ہی نہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جاکر ڈاکٹر سے بولو۔ کہ اگر وہ گاڑی تک قدم رنجہ فرما دیں گے۔ تو آپ کی عین مہربانی ہوگی۔ حضور ان کے ساتھ ایک برقعہ پوش عورت بھی گاڑی میں بیٹھی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر۔ محمود ذرا جاکر دیکھ تو سہی کون ہے۔

محمود۔ فوراً باہر جاکر گاڑی کے برابر کھڑا ہو گیا۔

محمود۔ فرمائیے۔ جی کیا کام ہے۔

اجنبی۔ ڈاکٹر محمد خان کا یہی مکان ہے نہ۔

محمود۔ جی ہاں۔

اجنبی۔ کیا ڈاکٹر صاحب گھر پر نہیں ہیں۔

محمود۔ جی ہیں۔ اور انہوں نے مجھے بھیجا ہے۔ کہ آپ سے دریافت کریں۔ کہ آپکو ان سے کیا کام ہے۔

اجنبی۔ شائد تم ان کے صاحبزادے ہو۔

محمود۔ جی ہاں آپ کا خیال درست ہے۔

اجنبی۔ بیٹا! میں اس وقت نازک حالت میں ہوں۔ اگر تم ذرا ڈاکٹر صاحب کو یہاں تک بلا دو۔ تو مجھ پر بہت بڑی مہربانی ہوگی۔

"بہت بہتر"

محمود۔ بہت اچھا میں ابھی بلائے لاتا ہوں۔

یہ کہکر اندر گیا۔ اور فوراً ہی ڈاکٹر صاحب ہمراہ لے کر واپس آگیا ہوں۔

ڈاکٹر۔ فرمایئے جناب بندہ کو کیسے یاد کیا۔

اجنبی۔ ڈاکٹر صاحب میں اتفاقاً ایک مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ اور آپ سے مدد کا خواہاں ہوں۔ آپ میرے ہم مذہب مسلمان ہیں امید ہے۔ کہ آپ ضرور میری مدد کریں گے۔

ڈاکٹر۔ میں حتے المقدور آپ کی مدد کرنیکو کوتاہی نہ کروں گا پہلے یہ فرمایئے کہ آپ کس طرح کی مدد چاہتے ہیں۔

اجنبی۔ جناب پہلے آپ میری مختصر سی سرگذشت سن لیجئے۔ پھر آپ کو خود ہی معلوم ہو جائیگا۔ کہ میں آپ سے کس بارے میں مدد مانگتا ہوں۔

ڈاکٹر۔ فرمایئے میں سننے کا مشتاق ہوں۔

اجنبی۔ میرا وطن مالوف دہلی ہے۔ مگر میں عرصہ ۲۰ سال سے راولپنڈی میں سوداگری کی دوکان کرتا رہا ہوں۔ سوائے اس لڑکی کے جسے آپ میرے پاس بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ میرے اور کوئی اولاد نہیں ہے۔ تقریباً دو سال ہوئے کہ میری بیوی بھی اس دار فانی سے رحلت کر گئی ہے۔ جب سے اس نے انتقال کیا ہے۔ میرا دل راولپنڈی میں مطلق نہ لگتا تھا۔ دوکان اور مکان مجھے کاٹے کھاتے تھے۔ ہر وقت دل میں یہی آتا تھا۔ کہ اپنی جائیداد کو بیچکر دہلی میں جا رہوں۔ اور وہاں پر کسی نیک لڑکے سے اپنی بیٹی کی شادی کر کے بعد میں باقی عمر کے دن چین سے گذاروں۔ لہذا میں نے ایسا ہی کیا۔ دوکان اور مکان فروخت کر دئے۔ اور اپنی دختر کو ہمراہ لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ مگر افسوس فلک کج رفتار کو یہ بھی منظور نہ ہوا۔ ابھی ۴-۵ اسٹیشن بھی نہ آئے ہونگے۔ کہ مجھے شدت کا بخار چڑھ گیا ہے۔ اور بیٹھنا بھی محال ہو گیا۔ ایسے وقت میں کیا کر سکتا تھا۔ قہر درویش بر جان درویش۔ جوں توں کر کے لاہور کا اسٹیشن آیا۔ چونکہ اب میری طبیعت بہت بے قابو ہو گئی تھی۔ اور میرے سفر کرنے کی بالکل ہمت نہ رہی تھی۔ لہذا میں نے یہ مصلحت سمجھی کہ یہاں ٹھہر کر اپنی طبیعت کو بحال

کر دی ۔ یہ بھی بڑا شہر ہے ۔ یہاں حکیم اور ڈاکٹر بھی اچھے مل جائینگے ۔ اور پھر جب میری طبیعت درست ہو جائیگی ۔ تو وہیں کو روانہ ہو جاؤں گا ۔ یہ سوچکر میں گاڑی سے اتر پڑا اور اسٹیشن سے باہر نکلکر مینے ایک نیک مرد سے کہا کہ بھئی مجھ مصیبت زدہ کی کچھ مدد کرو ۔ مجھے کسی اچھے ڈاکٹر کا مکان بتادو ۔ یا رہنے کے لئے ایک مکان کرایہ پر لیدو ۔ اور ایک خدمتگار ایسا رکھ دو ۔ جو میری بخوبی خدمت کر سکے ۔ جتنا روپیہ خرچ ہوگا ۔ میں اسے دوگنا دینے کو تیار ہوں ۔ اس نے کہا آپ ہسپتال چلے جائیے وہاں پر آپ کا کچھ خرچ بھی نہ ہوگا ۔ اور علاج بھی عمدہ ہوگا ۔ مینے کہا بھائی اول تو میں خیراتی ہسپتال میں جاکر بھیڑوں میں بھیڑ ہوکر رہنا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہوں ۔ دوسرے میرے ساتھ بیٹی بھی ہے ۔ میں اسے کہاں چھوڑ سکتا ہوں ۔ اسپر اس نے جواب دیا ۔ کہ جناب میں تو آنے والی گاڑی میں امرتسر جانے والا ہوں آپ کرایہ کی گاڑی میں بیٹھ کر ڈاکٹر محمد خان کے مکان پر چلے جاؤ ۔ وہ بڑے نیک اور فیاض آدمی ہیں ۔ آپکی ضرور مدد کرینگے ۔ بس جناب یہی سرگذشت میری ہے ۔ آپ دانا ہیں ۔ میری خدمت کا اندازہ بخوبی کر سکتے ہیں ڈاکٹر صاحب مجھے روپیہ کی کچھ پرواہ نہیں ہے ۔ میں اس وقت بہت کچھ روپیہ خرچ کرنے کو تیار ہوں ۔ مگر کسی طرح میری جان بچائی جائے ۔ اور بچی پر کوئی نئی مصیبت نہ آنے پائے ۔

ڈاکٹر ۔ کیا آپ مجھے اپنے اسم شریف سے بھی آگاہ کر سکتے ہیں ۔

اجنبی ۔ مجھے عمر بخش کہتے ہیں ۔

ڈاکٹر ۔ اچھا آپ فکر نہ کریں ۔ میں آپ کو اپنے مکان میں ایک کمرہ دیتا ہوں وہاں آپ کو سب طرح کا آرام ملیگا ۔ ایک خدمتگار آپ کے پاس چھوڑ دونگا ۔ جو رات دن آپ کی خوب خدمت کریگا ۔ اور دن میں دو تین مرتبہ میں خود آپ کو دیکھا کرونگا ۔ اور آپ کی صاحبزادی میرے زنانہ میں چھوڑ دی جائیگی ۔ میری اہلیہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوگی اور حتی المقدور کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی ۔

ڈاکٹر۔ (محمود سے) بیٹا جاؤ جا کر پیرو (خادمہ کا نام) اور کریمن کو بلا لاؤ۔
محمود گیا۔ اور آن کی آن میں دونوں کو ہمراہ لے کر آ گیا۔

ڈاکٹر۔ پیرو ان کا اسباب اتروا ؤ۔ اور انہیں اترنے میں مدد دو۔ اور جا کر فلاں کمرے میں انکے لئے پلنگ بچھاؤ۔ دیکھو آج سے تم ان کے ملازم ہو۔ شب و روز ان کی خدمت کرو۔ اور کسی بات کی انہیں تکلیف نہ ہونے دو۔ جو چیز درکار ہو۔ بلا تکلف ہمارے یہاں سے لے جایا کرو۔ اری جا صاحبزادی کو بیگم صاحب کے زنانہ خانہ میں لے جاؤ۔

ڈاکٹر کے حکم کی پوری تعمیل ہوئی۔ سوداگر عمر بخش بڑے آرام سے ڈاکٹر کے تجویز کردہ کمرے میں پہنچائے گئے۔ اور فوراً ہی ان کا علاج شروع ہو گیا سوداگر کی لڑکی یعنی منیر بیگم زنانہ کمرہ میں پہنچائی گئی۔ جب بیگم کے پاس پہونچی۔ تو اس نے بڑے پیار سے کہا۔ کہ بیٹی برقعہ اتار دو۔ اب یہاں کوئی مرد نہ آنے پاویگا۔

جونہی منیر بیگم نے برقعہ اٹھایا۔ بقعہ نور نظر آیا۔ بیگم کی آنکھوں کے آگے برق سی کوند گئی۔ اور کریمن کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

بیگم۔ واہ واہ کیا حسن پایا ہے۔ آپ جیسے اللہ نے بنایا ہے۔

کریمن۔ حضور میری تو آنکھیں بند ہو گئیں۔ انکے چہرے پہ نظر نہیں ٹھہرتی۔

بیگم۔ (بلائیں لے کر) آؤ بیٹی میرے پاس بیٹھو۔ اور اس غریب خانہ کو اپنا ہی گھر تصور کرو۔ جب تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو۔ تو بلا تکلیف مجھ سے کہہ دینا دیکھو شرمانا نہیں۔

بیگم کی الفت آمیز باتوں کو سنکر منیر بیگم کو اپنی والدہ یاد آ گئی۔ اور آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر بیگم نے اس کو سینہ سے لگا لیا۔ اور پوچھا کہ بچی روتی کیوں ہو۔

منیر۔ ہیں۔ مجھے آپ کی محبت بھری باتیں سنکر اپنی مہربان والدہ یاد آ گئیں۔ نہیں۔ ہائے ابھی تو میں اپنے والدہ کا صدمہ فراموش نہ کرنے پائی تھی۔ کہ میرے پیارے ابا سخت بخار میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے

فلک ستم شعار میرے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔

بیگم۔ بیٹی صبر کرو۔ رونے سے کیا ہوتا ہے۔ سرنوشت کوئی میٹ نہیں سکتا۔ بیٹی خدا سے دعا مانگو۔ وہ تمہارے ابا جان کا ضرور شفا بخشے گا (دل میں) کیسی پیاری لڑکی ہے۔ اگر میرے محمود کے ایسی دولہن آئے۔ تو میں گھر میں دن بھر بلائیں لیا کروں۔ وہ شخص کیسا خوش نصیب ہوگا۔ جس کے گھر کو یہ ماہ تاباں رونق بخشے گی۔ نام بھی بڑا پیارا ہے۔ بیشک یہ اسم بامسمیٰ ہے (منیر کی پیشانی پر بوسہ دیکے) لو بیٹی اب تھوڑی دیر آرام کرو۔ سفر کی تھکن ہوئی ہو۔ کہیں خدانخواستہ طبیعت علیل نہ ہو جائے۔ یہ کہکر خود کسی کام میں مشغول ہو گئی۔

باب ہشتم

منیر بیگم بلا کی حسین تھی۔ اسے دیکھ کر مرد تو درکنار۔ عورتوں کو سکتہ ہو جاتا تھا۔ گو اب بھی اس کے رخساروں پہ گلابی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ مگر اس کی والدہ کی زندگی میں یہ سیب سمرقند کی طرح سرخ رہا کرتے تھے۔ اس کا یہی چہرہ جو ہر وقت پژمردہ رہتا ہے۔ اس وقت کندن کی طرح دم دمایا کیا تھا۔ اس نے اپنی والدہ کی زندگی میں کبھی رنج و غم۔ درد و الم کا نام بھی نہ سنا تھا۔ یہ دنیا کی بے ثباتی اور دنیا کی نیرنگیوں سے بالکل ناواقف تھی۔ اس کی والدہ یعنی شیخ عمر بخش کی بیوی اسے دل سے چاہتی تھی۔ وہ اسے اپنے جگر کا ٹکڑا اور کلیجہ کی بوٹی سمجھتی تھی۔ وہ اسے اپنی آنکھوں کا تارا خیال کیا کرتی تھی۔ اس کا مرنا تھا۔ کہ منیر بیگم پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس نے اس کے غم میں کھانا پینا ترک کر دیا۔ ہر وقت غمگین اور اداس رہنے لگی۔ گھر میں اکیلی گھبرانے لگی۔ اور رو رو کر جان کھپانے لگی۔ شیخ صاحب کو بھی اس سے از حد الفت تھی۔ اس سے اس کی یہ حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ ہر چند

اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر اس کے دل سے غم دور نہ ہوتا تھا۔ انہوں نے اس کا دل بہلانے کے لئے ایک بڑا عمدہ ہارمونیم خرید دیا تھا۔ اور ایک کرسچین لیڈی دس روپے ماہوار پر نوکر رکھ دی تھی۔ جو ایک گھنٹہ روز اسے باجا بجانا سکھلایا کرتی تھی۔ گو شیخ صاحب کی مہربانیوں سے بظاہر خوش نظر آیا کرتی تھی۔ مگر دل میں ہر وقت والدہ کے غم میں کڑھا کرتی تھی۔ ہنوز اس کا غم کم ہونے بھی نہ پایا تھا۔ کہ ایک دوسری آفت آپڑی۔ یعنی جبکہ یہ دہلی جا رہے تھے۔ راستہ میں شیخ صاحب کو تپ محرقہ نے آگھیرا۔ اور انہیں مجبوراً ڈاکٹر محمد خان کے یہاں پناہ گزین ہونا پڑا۔

جب منیر بیگم کے حسن کی بھنک محمود کے کانوں میں پڑی۔ تو اسے بھی دیدار کا شوق چرایا۔ بس ایک روز بغیر اطلاع کئے بے تحاشا زنانہ خانہ میں جا گھسا۔ اور دیکھا کہ کمسن منیر بیگم حسن کی دولت سے مالا مال اکڑتی دوپٹہ اوڑھے بڑی بے تکلفی سے بیگم کے پاس میٹھی میٹھی باتیں کر رہی ہے۔ جونہی ان پر نظر پڑی۔ چھکے چھوٹ گئے دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ حواس گم ہو گئے۔ اور دل ہی دل میں یہ شعر پڑھنے لگے۔ ؎

پری نے حور نے انسان نے کب یہ شکل پائی ہے۔
خدا نے ہاتھ سے اپنے تیری صورت بنائی ہے

منیر بیگم نے ایک طرارہ بھرا۔ اور پردے کے پیچھے ہو گئی۔

بیگم۔ بیٹا محمود۔ یہ آج تم نے کیا کیا۔ جو بے کہے سے زنانہ میں چلے آئے۔ کیا شریف زادوں کے یہ چلن ہوتے ہیں۔

محمود۔ اماں جان معاف کرو۔ مجھے اس کا خیال نہیں رہا۔

بیگم۔ اچھا کان کو ہاتھ لگاؤ۔

تمہیں خیال رکھنا چاہئے تھا۔ مگر خیر گذشتہ را صلوات۔ آئندہ را احتیاط۔

محمود۔ بہت بہتر۔
یہ کہہ کر باہر چلا گیا۔

باب نہم

جس روز سے محمود نے منیر بیگم کو دیکھا ہے۔ دل پہلو سے کھو بیٹھا ہے۔ کل شباب وبال معلوم ہوتا ہے۔ نوشت وخواند جنجال نظر آتا ہے اور دن رات اسی کا خیال دل کو بھاتا ہے۔ ہر چند دیدار یار کو دل چاہتا ہے۔ مگر والدین کے خوف سے بید مجنون کی طرح کانپتا ہے۔ اور بار بار یہی شعر زبان پر لاتا ہے۔ ؎

کہاں تک دم بخود رہیئے نہ ہاں کیجے نہ ہوں کیجئے۔
کہاں تک کھایئے غم کب تلک ضبط فغاں کیجئے۔

محمود۔ (آپ ہی آپ) آخر اس طرح ہاتھ پہ ہاتھ رکھ بیٹھنے سے تو مطلب براری معلوم۔ کوئی نہ کوئی تدبیر ضرور کرنی چاہئے۔ (کچھ دیر سوچکر) ہاں ہاں بس۔ یہی تدبیر ٹھیک ہے۔ آج سے ہماہر روز دو تین مرتبہ شیخ صاحب کے پاس مزاج پرسی کے بہانہ سے جایا کروں گا۔ اور اگر ان کا کوئی کام میرے لائق ہوا کرے گا۔ تو اس سے بڑے شوق سے سرانجام دیا کروں گا۔ اور کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں اور کچھ اخباری خبریں سنا کر ان کا دل بہلایا کروں گا۔ اور جہاں تک ہو سکے گا۔ ان کے دل میں گھر کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس طریقہ سے ضرور وہ مجھے نیک اور شریف سمجھ کر مجھ سے محبت کرنے لگیں گے۔ اور ممکن ہے۔ کہ وہ مجھے اپنی دامادی کے قابل تصور کرنے لگیں آخر میں بھی تو کسی ایسے ویسے کا تو ہوں نہیں۔ میرا والد ایک مشہور ومعروف اور مالدار ڈاکٹر ہے۔ میں بھی بد اطوار یا آوارہ گرد

کا نہیں ہوں۔ الیف۔ اے میں تعلیم پاتا ہوں۔ صورت اور شکل میں
برا نہیں ہوں۔ پھر اور کونسی ایسی بات ہے۔ جسکے سبب سے شیخ صاحب مجھے پسند نہ کرینگے
محمود کا یہ خیال خیال نہ تھا۔ جونہی اس نے شیخ صاحب کے پاس آمدورفت
شروع کی۔ وہ اسے بہت پسند کرنے لگے۔ وہ اس کی تمیز اور شائستہ
گفتگو سن کر نہایت محظوظ ہوتے تھے۔ اور اسے بڑا باسلیقہ اور باادب
خیال کرتے تھے۔ جس وقت یہ انگریزی سوٹ زیب تن کر کالر نکٹائی لگا۔
سر پر رومی ٹوپی رکھ پاؤں میں ڈاسن کا بوٹ پہنکر کھٹ کھٹ کرتا انکے ہمراہ
جاتا تھا۔ تو اسکے حسن کو دیکھ کر عش عش کرنے لگتے تھے۔ وہ اس کی بڑی
بڑی سیاہ آنکھوں کو چشم بہرہ الال سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔ وہ اس کے نازک
لبوں کو لال بدخشاں کہا کرتے تھے۔ اور اس کے رخساروں کو گلاب کا پھول
کہا کرتے تھے۔ اور اس کی اونچی پیشانی کو خوش نصیبی اور اقبال مندی کی علامت
خیال کرتے تھے۔ وہ اکثر اپنے دل میں کہا کرتے تھے۔ کہ اگر میں تختہ
زمین پر چراغ لے کر بھی ڈھونڈوں گا۔ تو منیر کے لئے محمود سے بہتر
دولہا نہ پاؤں گا۔

ایک روز جونہی محمود نے شیخ عمر بخش کے کمرہ میں پاؤں رکھا۔ تو ان
کے پاس اپنے باپ کو بیٹھا پایا۔ انہیں باتوں میں مشغول دیکھ کر بڑے
ادب کے ساتھ ایک چوکی پر چپ چاپ بیٹھ گیا۔ سن رہے تھے۔
ان کی آنکھیں محمود کے چہرے پر جمی ہوئی تھی۔ جب سلسلہ گفتگو ختم ہوا
شیخ صاحب نے بڑی لجاجت کے ساتھ ڈاکٹر صاحب سے یوں کہا۔
شیخ۔ میں آپ سے ایک درخواست کرنی چاہتا ہوں۔ بشرطیکہ آپ
منظور فرماویں۔
حیرانگی ہے۔
آپ شوق سے فرمادیں۔ میں حتی الوسع آپ کی کوئی درخواست
رد نہ کروں گا۔
شیخ۔ میں آپ کی مہربانیوں کا نہایت مشکور رہوں۔ مجھے آپ سے اسقدر

جملہ جو آپ نے ابھی ارشاد فرمایا ہے۔ اپنے اس معانی الضمیر کے
ظاہر کر دینے کا حوصلہ ہو گیا ہے۔ جس کو کئی دن سے میں اپنے دل
میں چھپائے ہوئے ہوں۔

ڈاکٹر۔ آپ بلا تکلف فرما دیجئے۔

شیخ۔ آپ اپنے صاحبزادہ محمود خان کو میرا کر دیجئے۔

ڈاکٹر۔ چشم ما روشن دلِ ما شاد شد۔ میری اہلیہ آپ کی صاحبزادی کو
بہت پسند کرتی ہے، اور اکثر اس کی تعریف کیا کرتی ہے۔ وہ اس خبر کو سن کر
فرطِ مسرت سے اچھل پڑیگی۔

شیخ۔ چونکہ مجھے کامل یقین ہے۔ کہ میں اس بیماری سے جاں بر نہ ہو سکوں گا۔
لہذا میں چاہتا ہوں۔ کہ رسم منگنی بہت جلد ادا ہو جائے۔

ڈاکٹر۔ آپ کیوں اتنا مایوس ہوئے جاتے ہیں۔ کیا آپ نے نہیں سنا
اسے فضل کرتے نہیں لگتی بار

نہ ہو اس سے مایوس امیدوار

خیر مجھے رسم ادا کرنے میں کوئی اعتراض نہیں۔ جس روز آپ فرمادیں گے۔ رسم
ادا کر دی جائیگی۔

شیخ۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ کل منگنی تو ہو جائے اور پرسوں قاضی کو بلا کر نکاح پڑھا دیا جائے۔

ڈاکٹر۔ کل منگنی تو ہو سکتی ہے۔ مگر پرسوں چپ چاپ اس کا نکاح کر دینا۔ اس کی والدہ
ہرگز منظور نہ کریگی۔ آپ جانتے ہیں۔ ہمارے بھی صرف یہی لڑکا ہے۔ اور ہم نے
اس کی شادی پر بہت کچھ ارمان نکالنے ہیں۔

شیخ۔ میں خود اپنی اکلوتی بیٹی کا اس طرح چپ چاپ نکاح پڑھانا ہرگز نہ چاہتا تھا
مگر کیا کروں حالات سے مجبور ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ نکاح میرے سامنے
پرسوں پڑھا دیں۔ اور پھر میرے بعد جب چاہئے۔ تقریب خوب دھوم دھام سے
کرلینا۔ میں اس کے لئے کافی روپیہ چھوڑ جاؤنگا۔

ڈاکٹر۔ توبہ توبہ آپ کی مایوسی بھی کسی درجہ تک بڑھی ہوئی ہے۔

شیخ۔ خیر اگر یہاں نہ رہا۔ تو اس تقریب کو خود ادا کر دوں گا۔

ڈاکٹر۔ جیسے آپ کی مرضی ہمیں کوئی عذر نہیں ہے۔

الغرض اگلے روز منگنی کی رسم اور تیسرے روز نکاح کی رسم ادا کر دی گئی۔ اب [illegible]د خان جامہ میں پھولا نہیں سماتا ہے۔ اور منیر بیگم گو اب بھی اپنے والدین کے [illegible]یں ہر وقت اداس اور مغموم رہتی ہے۔ مگر اس رسم کے ہو جانے سے اس کو [illegible]ت کچھ تسلی ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر اور بیگم بھی ایسی حسین اور سگھڑ بہو کے ملنے سے [illegible] خوش ہیں۔ اور شیخ صاحب بھی لڑکی کے بارے میں سبکدوش ہو گئے ہیں۔

باب دہم

منیر بیگم کا معمول تھا۔ کہ ہر روز تین تین مرتبہ جا کر اپنے والد کو دیکھ آیا کرتی تھی۔ [illegible]ج جونہی وہ سو کر اٹھی ویسے ہی کریمن نے کہا کہ بالو آج خدا نخواستہ شیخ صاحب [illegible]الت بہت ردی ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی منیر [illegible]ہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ اور وہ فوراً اپنے والد کے پاس پہنچی۔

اسوقت شیخ صاحب چپ چاپ چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ گو بخار روز [illegible]سی قدر کم تھا۔ مگر بباعث اسہال ناک میں دم تھا۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے [illegible]ات بھر میں کم از کم بیس مرتبہ تو ضرور ہی اٹھے ہونگے۔ کمزوری اس قدر بڑھی ہوئی [illegible] کہ آپ سے کروٹ لینا بھی محال تھا۔ نقاہت سے آنکھیں بند ہوتی جاتی تھیں [illegible]نے پوچھا ابا جان اب کیا حال ہے۔

[illegible]خ۔ بیٹا گھڑی دو گھڑی کا مہمان ہوں۔

[illegible]یر۔ ابا جان ایسا الفاظ زبان پر نہ لایئے۔ خدا آپ کی عمر دراز کرے۔ اور [illegible]رے سر پر ہمیشہ آپ کا سایۂ عاطفت قائم رہے۔

[illegible]خ۔ بیٹا میں نے آپ کو ایک خاص کام کے لئے بلایا ہے۔

[illegible]یر۔ فرمایئے۔

[illegible]خ۔ ذرا غور سے سن۔

[illegible]یر۔ میں ہمہ تن گوش ہوں۔

[illegible]خ۔ بیٹی میں آج تجھ پر وہ راز ظاہر کرنے لگا ہوں۔ جسے میں نے اپنے [illegible]

میںنے ۱۶ سال تک پوشیدہ رکھا۔

منیر۔ (متحیر ہوکر) راز کیا آپ کا کوئی راز ہے۔

شیخ۔ وہ راز میری نسبت تجھ سے زیادہ تعلق رکھتا ہے۔

منیر۔ میں حیران ہوں۔ کہ وہ کونسا راز ہے۔

شیخ۔ بیٹی اصل بات یہ ہے۔ کہ ہم تیرے حقیقی والدین نہیں۔ اور نہ ہی تو ہماری سگی بیٹی

منیر۔ (متعجب ہوکر) پھر میں کون ہوں۔

شیخ۔ تو ہماری متبنّیٰ ہے۔ تو ہماری لے پالک ہے۔

منیر۔ اور میرے حقیقی والدین کون ہیں۔

شیخ۔ بیٹی میں اس سے ایسا ہی ناواقف ہوں۔ جیسی کہ تو۔

منیر۔ یہ اور بھی تعجب کی بات ہے۔ آخر آپ نے مجھ کو کس سے لیا تھا۔

شیخ۔ عدالت سے۔

منیر۔ عدالت نے مجھے کہاں سے پایا۔

شیخ۔ بیٹی اصل بات یہ ہے۔ کہ ہمارے کوئی اولاد نہ تھی۔ اور تیری اماں کو اسکا بڑا تعلق رہا کرتا تھا۔ ایک روز سنا دو بچے جن میں ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے۔ ندی کے کنارے پڑے پائے گئے ہیں۔ اور انہیں پولیس نے اٹھا کر عدالت میں پیش کر دیے ہیں۔ تاکہ جس شخص کو بچہ کی ضرورت ہو وہ عدالت سے لیجائے۔ یہ سنکر میں نے بھی جانے کا ارادہ کیا۔ مگر اسروز کسی ضروری کام کے باعث میرا جانا نہ ہوا۔ اگلے روز میں سب کام چھوڑ کر عدالت میں پہونچا۔ اور جا کر لڑکے کی درخواست کی۔ مگر لڑکے کو چونکہ کوئی پہلے ہی لے جا چکا تھا۔ میں لڑکی ہی غنیمت سمجھ کر تجھ کو وہاں سے لے آیا۔ اور اپنی بیوی کے سپرد کر دیا۔ پھر جس طرح اسنے تجھے پالا تو خوب جانتی ہے۔ بیٹی منیر تجھے اصلی معاملہ سے آگاہ کر دیا ہے۔ اب تجھے اختیار ہے۔ خواہ تو بھی کبھی کبھار یاد کر کے دو آنسو ڈال دیا کرنا۔ خواہ غیر سمجھ کر اپنے دل سے فراموش کر دینا۔

منیر۔ میرے ابا جان آپ کیا فرماتے ہیں۔ میں ان حقیقی والدین کے نام پر تھوکتی ہوں جنہوں نے پیدا ہوتے ہی گھر سے باہر نکال کر پھینکدیا۔ ہزار لعنت بھیجتی ہوں۔ ا

آپ کو مرحوم احسان جان کر اپنے اصلی والدین سمجھتی ہوں۔ آپ نے مجھے بڑے ناز سے پالا ہے۔ آپ کو خدا ہمیشہ میرے سر پر سلامت رکھے۔

شیخ۔ بیٹی اب اس معاملہ میں بھی تجھے اختیار ہے۔ کہ تو میری طرح اس راز کو ہمیشہ اپنے سینہ میں رکھے یا سب پر ظاہر کر دے۔ ہاں اگر میری ہدایت پر عمل کرے تو اس کا رکھنا ہی تیرے لئے مفید ہوگا۔ کیونکہ اب تو ڈاکٹر صاحب اور ان کے لواحقین تجھے ایک سوداگر کی لڑکی سمجھ کر تھوڑی بہت عزت ہی کرتے ہونگے۔ مگر اس راز کے ظاہر ہو جانے پر وہ تجھے کسی رذیل کی حرامی لڑکی سمجھ کر تجھ سے نفرت کرنے لگیں گے۔

شیخ۔ بیٹی منیر۔ اب میرا دم اکھڑا جاتا ہے۔ اور میں چند منٹ کا مہمان ہوں وہ دیکھ سامنے میرے اس ٹرنک میں دس ہزار کے نوٹ رکھے ہیں۔ وہ اب تیرے ہیں۔ جب ڈاکٹر صاحب تیری شادی کرائیں۔ اسوقت چار ہزار کے نوٹ انہیں اس تقریب پر خرچ کرنے کے لئے دے دینا۔ اور باقی سے تو اپنا زیور اور کپڑا بنوا لینا۔ یہ کہہ کر شیخ صاحب نے اس کا سر اپنے سینہ سے لگا لیا۔ اور محبت پدری سے آنسو بہانے لگے۔ منیر نے رومال سے ان کے آنسو پونچھے اور پھر بڑے پیار سے ان کی پیشانی پر سے بال ہٹائے۔

دفعتاً شیخ صاحب کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اور وہ لمبے لمبے سانس لینے لگے۔

منیر۔ ابا جان۔

شیخ۔ ب.......ب بولنے کی بہت کوشش کی۔ مگر زبان سے کوئی لفظ نہ نکلا۔

منیر نے یہ حال دیکھ کر کہا۔ کہ ابا جان آپ کی ہدایت کے بموجب اس راز کو ہمیشہ اپنے صندوق کے سینہ میں پوشیدہ رکھوں گی۔

مگر جواب ندارد رہا۔

منیر۔ میرے پیارے ابا۔

جواب ندارد۔

شیخ۔ صدائے برخاست۔

ان کی یہ حالت دیکھ کر منیر گھبرا گئی۔ اور واویلا کرنے لگی۔ شور و شغب سنکر ڈاکٹر صاحب اور محمود دونوں نوکر سب اسی گھر میں گھس آئے۔ منیر بیگم بھی برقعہ اوڑھ کر والد کی چارپائی پکڑ کر بیٹھ گئی۔ جب ڈاکٹر صاحب نے ان کی نبض پر ہاتھ رکھا تو بڑی دیر کے بعد کچھ یونہی سی حرکت کرتی ہوئی معلوم ہوئی۔ انہوں نے ایک شیشی میں سے مقوی دوا کے چند قطرے شیخ صاحب کے حلق میں ٹپکائے محمود ان کے ہاتھ پاؤں میں کچھ دوا ملنے لگا۔ پیرو دوڑ کر ایک مولوی صاحب کو بلا لایا۔ انہوں نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ کوئی کلمہ پڑھتا ہے۔ کوئی ہاتھ اٹھا کر خدا سے دعا مانگتا ہے۔ کوئی شیخ صاحب پنکھا جلتا ہے اور کوئی بڑی یاس سے کف افسوس ملتا ہے۔

الغرض بہت کچھ دوڑ دھوپ کی گئی۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی شیخ صاحب جام حیات لبریز ہوچکا تھا۔ وہ چند سیکنڈ کے داعیہ اجل کو لبیک کہہ گئے۔

اب منیر بیگم کا حال ناگفتہ بہ ہے۔ سینہ پیٹتی ہے۔ پچھاڑیں کھاتی ہے۔ سر پھوڑ ڈالا ہے۔ گریبان چاک کر ڈالا ہے۔ بال نوچ ڈالے ہیں۔ کپڑے پھاڑ ڈالے ہیں۔ اور اس زور سے بین کر رہی ہے۔ کہ

رو گئے کیے ملائک ہفت آسمان کے ۔۔ ساتوں فلک توڑ کے نالہ نکل گیا

منیر۔ ابا جان۔ ہائے میرے ابا کہاں جاتے ہو۔ اور مجھ کمبخت کو آپ نے اپنے ہمراہ کیوں نہیں لے جاتے۔ اے ابا کچھ تو بولو۔ کچھ تو جواب دو۔ ذرا آنکھیں کھول کر تو دیکھو۔ تمہاری پیاری منیر تمہاری لاڈلی منیر تمہارے سرہانے کھڑی رو رہی ہے۔ میرے ابا آپ تو کبھی مجھے ذرا بھی اداس نہ دیکھ سکتے تھے۔ پھر آج کیا ہے جو میرے اتنے رونے پر بھی ذرا خیال نہیں کرتے۔ ہائے ہائے۔ ابھی تو چند روز ہوئے اپنی اماں کا غم بھی نہ بھولا تھا۔ یہ آپ کو کیا سوجھی آپ بھی مجھے چھوڑ چلے۔ اے ابا خدا کے لئے ایسا تو نہ کرو۔ اللہ کچھ تو رحم کرو۔

بیگم (منیر کو سینہ سے لگا کر) بیٹی صبر کر کیوں رو رو کر ناحق اپنی جان ہلکان کئے ڈالتی ہے۔ اب رونے اور پیٹنے سے وہ واپس نہیں آ سکتے۔ بیٹی ایک غم ہو تو اسے کوئی روئے۔ یہ آئے دن کے غم تو روئے بھی نہیں جاتے۔

رات دن اٹھتے چلے جاتے ہیں احباب و عزیز۔ اے فلک روز کہاں تک کوئی ماتم ہی ہے

منیر۔ اماجان میں بے بس ہو گئی۔ میں یتیم ہو گئی۔ میرے پیارے والدین مجھے اکیلی بے یار و مددگار چھوڑ چل بسے۔

بیگم۔ بچی صبر کر سے

جو زندہ ہے اسے ایک روز مر جانا بھی ہوتا ہے
عزیزوں سے جدا ہونے میں غم کھانا بھی ہوتا ہے۔

اس بڑی رو دکد کے بعد بیگم صاحب منیر بیگم کو دوسرے کمرے میں لے گئیں۔ اور ڈاکٹر صاحب نے اپنے مسلمان بھائیوں کو جمع کر کے شیخ صاحب کی تجہیز و تکفین کر دی۔ مزار سنگ مرمر کی بنوالی گئی۔ اور اس پر شیخ صاحب کا نام اور تاریخ کندہ کرائی گئی۔ منیر بیگم نے ۱۴ ہزار روپیہ لگا کر مزار کے اوپر ایک خوبصورت مقبرہ بنوایا ہے۔ اور منیر بیگم ہر جمعرات کی جمعرات پھول پتا سے چادر اور چراغ وغیرہ لے کر وہاں جاتی ہے۔ اور تربت سے لپٹ کر پہروں رویا کرتی ہے۔ اسکی ساس بڑی مشکل سے قبر سے چھوڑا کر اسے گھر لاتی ہے

باب گیارھواں

شیخ صاحب فوت ہوئے تقریباً ۲ سال گذر چکے ہیں۔ محمود اور منیر کی شادی بھی ڈیڑھ سال ہوا بڑی دھوم سے ہو چکی ہے۔ اب ان دونوں میں بڑی الفت ہو گئی ہے۔ اور چونکہ منیر کا دل محمود اور اس کے والدین ہر وقت بہلاتے رہتے ہیں۔ اور سب اسے دل سے پیار کرتے ہیں۔ لہٰذا اسے اپنے والدین کا غم قدرے فراموش ہو گیا ہے۔ اور اب یہ اکثر خوش اور بشاش نظر آیا کرتی ہے۔ رات کے دس بجے کا وقت ہے۔ قمری مہینہ کی چودھویں تاریخ کا چاند کسی معشوق چہاردہ سالہ کے مکھڑے کی طرح

شیخ - صدائے برخانہ خاست -

ان کی یہ حالت دیکھ کر منیر گھبرا گئی - اور واویلا کرنے لگی - شور و شغب سنکر ڈاکٹر صاحب اور محمود دونوں لڑکر سب اسی گھر میں گھس آئے - منیر بیگم بھی برقعہ اوڑھ کر والد کی چارپائی پکڑ کر بیٹھ گئی - جب ڈاکٹر صاحب نے ان کی نبض پر ہاتھ رکھا تو بڑی دیر کے بعد کچھ یونہی سی حرکت کرتی ہوئی معلوم ہوئی - انہوں نے ایک شیشی میں سے مقوی دوا کے چند قطرے شیخ صاحب کے حلق میں ٹپکائے محمود ان کے ہاتھ پاؤں میں کچھ دوا ملنے لگا - پھر وہ دوڑ کر ایک مولوی صاحب کو بلا لایا - انہوں نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا - کوئی کلمہ پڑھتا ہے - کوئی ہاتھ اٹھا کر خدا سے دعا مانگتا ہے - کوئی شیخ صاحب پنکھا جلتا ہے اور کوئی بڑی یاس سے کف افسوس ملتا ہے -

الغرض بہت کچھ دوڑ دھوپ کی گئی - مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی شیخ صاحب جام حیات لبریز ہو چکا تھا - وہ چند سیکنڈ کے دائمیہ اجل کو لبیک کہہ گئے -

اب منیر بیگم کا حال ناگفتہ بہ ہے - سینہ پیٹتی ہے - پچھاڑیں کھاتی ہے - سر پھوڑ ڈالا ہے - گریبان چاک کر ڈالا ہے - بال نوچ ڈالے ہیں - کپڑے پھاڑ ڈالے ہیں - اور اس زور سے بین کر رہی ہے - کہ

رو رہا کے ملائک ہفت آسمان کے ۔ ساتوں فلک توڑ کے نالہ نکل گیا

منیر - ابا جان - ہائے میرے ابا کہاں جاتے ہو - اور مجھ کمبخت کو آپ نے اپنے ہمراہ کیوں نہیں لے جاتے - اے ابا کچھ تو بولو - کچھ تو جواب دو - ذرا آنکھیں کھول کر تو دیکھو - تمہاری پیاری منیر تمہاری لاڈلی منیر تمہارے پاس کھڑی رو رہی ہے - میرے ابا آپ تو کبھی مجھے ذرا بھی اداس نہ دیکھ سکتے تھے - پھر آج کیا ہے جو میرے اتنے رونے پر بھی ذرا خیال نہیں کرتے - ہائے ہائے - ابھی تو چند روز ہوئے اپنی کا غم بھی نہ بھولا تھا - یہ آپ کو کیا سوجھی آپ بھی مجھے چھوڑ چلے - اے ابا خدا کے لئے ایسا تو نہ کرو - اللہ مجھ پہ تو رحم کرو -

بیگم ۔ منیر کو سینہ سے لگا کر ۔ بیٹی صبر کرو ۔ یوں رو رو کر ناحق اپنی جان ہلکان کئے ڈالتی ہے ۔ اب رونے اور پیٹنے سے وہ واپس نہیں آ سکتے ۔ بیٹی ایک غم ہو تو اسے کوئی روئے ۔ یہ آئے دن کے غم تو روئے بھی نہیں جاتے ۔

رات دن اٹھتے چلے جاتے ہیں احباب و عزیز ۔ اے فلک روز کہاں تک کوئی ماتم میں ہے

منیر ۔ اماجان میں بے بس ہو گئی ۔ میں یتیم ہو گئی ۔ میرے پیارے والدین مجھے اکیلی بے یار و مددگار چھوڑ چل بسے ۔

بیگم ۔ بچی صبر کرو

جو زندہ ہے اسے ایک روز مر جانا بھی ہوتا ہے

عزیزوں سے جدا ہونے میں غم کھانا بھی ہوتا ہے ۔

الغرض بڑی رد و کد کے بعد ۔ بیگم صاحب منیر بیگم کو دوسرے کمرے میں لے گئیں ۔ اور ڈاکٹر صاحب نے اپنے مسلمان بھائیوں کو جمع کر کے شیخ صاحب کی تجہیز و تکفین کر دی ۔ مزار سنگ مرمر کی بنوالی گئی ۔ اور اس پر شیخ صاحب کا نام اور تاریخ کندہ کرائی گئی ۔ منیر بیگم نے ۴ ہزار روپیہ لگا کر مزار کے اوپر ایک خوبصورت مقبرہ بنوایا ہے ۔ اور منیر بیگم ہر جمعرات کی جمعرات پھول پتاسے چوری اور چراغ وغیرہ لے کر وہاں جاتی ہے ۔ اور تربت سے لپٹ کر پہروں رویا کرتی ہے ۔ اسکی ساس بڑی مشکل سے قبر سے چھڑا کر اسے گھر لاتی ہے

باب گیارھواں

شیخ صاحب فوت ہوئے تقریباً ۳ سال گذر چکے ہیں ۔ محمود اور منیر کی شادی بھی ڈیڑھ سال ہوا بڑی دھوم سے ہو چکی ہے ۔ اب ان دونوں میں بڑی الفت ہو گئی ہے ۔ اور چونکہ منیر کا دل محمود اور اس کے والدین ہر وقت بہلاتے رہتے ہیں ۔ اور سب اسے دل سے پیار کرتے ہیں ۔ لہٰذا اسے اپنے والدین کا غم قدرے فراموش ہو گیا ہے ۔ اور اب یہ اکثر خوش اور بشاش نظر آیا کرتی ہے ۔ رات کے دس بجے کا وقت ہے ۔ قمری مہینہ کی چودھویں تاریخ کا چاند کسی معشوق چہاردہ سالہ کے مکھڑے کی طرح

بنوہ گر ہے۔

عالم پر اس وقت چاندنی ایک صاف اور شفاف چادر سی بکھری ہوئی ہے۔ جو اپنی نیچرل خوشنمائی سے ایک عجیب و غریب مزہ دے رہی ہے۔ دنیا پر اگرچہ بالکل خاموشی طاری نہیں ہوئی۔ تاہم ایک گونہ سکوت کی حالت پیدا ہو چکی ہے۔ لیکن اس وقت محمود اور منیر بیگم ایک علیحدہ کمرے میں بیٹھے کھلکھلا کر باتیں کر رہے ہیں۔ پاس ہی ہارمونیم باجہ رکھا ہوا ہے۔ اور محمود منیر بیگم سے ایک گانے کے لئے اصرار کر رہا ہے۔

محمود۔ خدا کے لئے کچھ سناؤ۔

منیر۔ جب مجھے گانا بھی آتا ہو۔

محمود۔ یہ بھی کوئی بات ہے کہ گانا نہیں آتا اور بجانا آتا ہے۔

منیر۔ کہتی تو ہوں۔ کہ لاؤ بجاتی ہوں میں۔ اور تم کچھ گاؤ۔

محمود۔ نہیں گانا عورتوں کے منہ سے ہی زیب دیتا ہے۔

منیر۔ لے ہے کچھ گانا بجانا ہے تو گا بجا لو۔ ورنہ اٹھو باجا کو کہاں کا جھگڑ نکالا ہے۔

محمود۔ مگر تم کیوں نہیں گاتیں۔

منیر۔ اے اد ھر کے کمرہ میں ابا جان سو رہے ہیں۔ اور ادھر اماں جان۔ بھلا میں گاتی اچھی لگوں گی۔

محمود۔ اچھا تو خفا نہ ہو۔ تمہیں سناؤ۔ اور جیسا بھلا برا مجھے آتے ہیں گاتا ہوں۔

چنانچہ منیر بیگم نے باجا بجایا۔ اور محمود خان نے لہرا لہرا کر فارسی کی یہ غزل گائی۔

غزل

برشمعہائے روئے تو اے جانِ جان پروانہ ام

مارغم زلف تو اے رشکِ پری دیوانہ ام

چوں قیس خاکم شد زلوں سازم چہ اے لیلیٰ کنوں

گشتہ جبین جوش جنون دہر و ہوائے ویرانہ ام

زلفم نمودہ سیمبر کردہ پریشان یک دیگر

جان و دلم را سر بسر صد چاک مثل شانہ ام

آئینہ ساں حیراں شدم چوں ابر گریاں شدم
بس طالب جاناں شدم در خویش چوں بیگانہ ام
ساز و نکہ در بیش و کم شکوہ ندارم دم بہ دم
در چشم مستت اے صنم بیمار و بس مستانہ ام
افسوس را دل شاد کن دانستہ نے برباد کن
نادان، بس پیدا شبنہ سخن فرزانہ ام

منیر۔ ذرا ٹھہر نا دیکھو تو یہ کیسی آواز ہے۔
محمود۔ کہاں بہنے کچھ نہیں سنا۔
منیر۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کوئی کراہ رہا ہے۔
محمود۔ (کان لگا کر) ہاں کوئی کراہ تو رہا ہے۔
منیر۔ آواز ابا جان کے کمرے سے آ رہی ہے۔
محمود۔ کوئی بیمار ان کے پاس آیا ہوگا۔
منیر۔ لے ہے اسوقت بھی کوئی مریض آیا کرتے ہیں۔
محمود۔ کیوں آنے کو کیا ہے۔ ابھی تو دس ہی بجے ہیں۔
کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ
منیر۔ کوئی ہمارے کمرہ کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔
محمود۔ (زور سے) کون ہے۔
آواز۔ اے صاحبزادے جلدی دروازہ کھولو۔
محمود۔ کون ہے؟ کریمن!
آواز۔ جی ہاں میں ہی ہوں۔ ذرا دروازہ تو کھولو۔
محمود۔ (دروازہ کھولکر) کیوں کیا کام ہے؟
کریمن۔ بیٹا جلدی چلو۔ بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔
محمود۔ کیوں خیر تو ہے۔
کریمن۔ خیر کیسی۔ خدا نخواستہ ڈاکٹر کی طبیعت بہت خراب ہے۔
محمود۔ نہیں کیا ہوا۔ ابھی چھ بجے کے قریب تو میں ان کے پاس بیٹھا ہی ہوا تھا

تب تو وہ بالکل اچھے تھے۔

کریمن ۔ ابھی ابھی دو لفٹ ہوئے کسی مریض کو دیکھ کر آئے ہیں۔ بس آتے ہی جگر میں درد شروع ہو گیا۔ اور دو تین مرتبہ خون کی قے بھی ہو چکی ہے۔

محمود ۔ اس کمبخت درد نے ابا جان کو بہت ستایا ہے

کریمن ۔ اچھا جلدی چلو۔ بیگم صاحبہ بیتاب ہو رہی ہیں۔

یہ سنکر محمود فوراً گھوڑا دوڑا کے کمرہ میں گیا۔ جاکر دیکھا۔ ڈاکٹر صاحب بڑی ردی حالت میں چارپائی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور بیگم ان کے پاس بیٹھی ہوئی بڑی یاس سے ان کے منہ کو تک رہی ہے۔

بیگم ۔ بیٹا محمود آج تمہارے والد کی طبیعت دگرگون ہے۔ فوراً جاکر کسی ہوشیار ڈاکٹر کو بلالاؤ۔

محمود ۔ میں ابھی بلا تا ہوں۔

محمود فوراً گاڑی پر سوار ہو کر ایک انگریز ڈاکٹر کے پہنچا۔ اور بہرہ سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب کو ہمارے آنے کی اطلاع دو۔

بہرہ ۔ ڈاکٹر صاحب ابھی سونے کے کمرہ میں گئے ہیں۔ آپ کون صاحب ہیں۔

محمود ۔ میں ڈاکٹر محمد خان کا لڑکا ہوں۔ بہت ضروری کام ہے تم انکو فوراً جگا دو۔

بہرہ ۔ صاحب بہ خوابگاہ میں نہیں جا سکتے۔ اور نہ ۱ بجے کے بعد ہمیں جگانیکا حکم ہے۔

محمود ۔ بھائی میرے والد کی طبیعت بہت خراب ہے۔ میں ڈبل فیس دینے کو تیار ہوں اور تو تم بھی اپنا حق لے لو۔ (یہ کہکر ایک روپیہ بہرہ کو دیا)

بہرہ۔ صاحب کی ڈبل فیس سنکر اور ایک روپیہ لے کر راضی ہو گیا اور خوابگاہ کے باہر کھڑا ہو کر حضور حضور کہہ کر آواز دی۔ صاحب ابھی سوئے نہیں تھے۔ فوراً باہر نکل آئے۔ اور محمود کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو کر ڈاکٹر محمد خان کے مکان پر پہنچے۔

جونہی صاحب نے ڈاکٹر محمد خان کا چہرہ دیکھا۔ دیکھتے ہی بھانپ لیا۔ کہ اب یہ قریب المرگ ہے۔ چہرہ پر مردنی چھا گئی ہے۔ آنکھ کا بانسہ مڑ گیا ہے۔ نتھنوں کی پتلیاں پھر گئیں ہیں۔ اور سانس بہت ٹھہر ٹھہر کر آتا ہے

صاحب۔ (محمود سے) دل تم نے ہمکو پہلے سے کوئی خبر نہیں کیا اب ہم انکا کیا بنا سکتا ہے
محمود۔ حضور انکی طبیعت تو یکایک ہی خراب ہوگئی ہیں کسی کو بلانے کا موقعہ بھی نہیں ملا۔
صاحب۔ ان کو بہت پرانا لور (جگر) کا بیماری ہے۔ تم نے پہلے کیوں انکا علاج نہیں کیا۔
محمود۔ حضور یہ خود ڈاکٹر ہیں۔ اور لور کی دوا تو ہمیشہ پیتے رہے۔ مگر اس موذی مرض نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔
صاحب۔ (نسخہ لکھکر) اچھا یہ دوا لاکر پلادو۔
محمود۔ بہت بہتر۔
صاحب۔ (گھڑی دیکھ کر) او ہم کو بڑا دیر ہوگیا۔
محمود۔ گڈ نائیٹ۔
صاحب۔ گڈ نائیٹ۔

چنانچہ صاحب بہادر تو اپنی فیس لے کر چلتے ہوئے۔ اور ہنوز دوا تیار بھی نہ ہونے پائی تھی۔ کہ بیچارے مریض کا دم اکھڑ گیا۔ اور انھوں نے اشارے سے محمود کو اپنے نزدیک بلا کر اس کا ہاتھ اپنے سینہ سے لگالیا
مریض۔ م......ح......مو......تو......مجھے......یا......د......
ر......تا......ہیں......تے......ر......ا......ص......ل......وا......ل......
ز......ن......ہی......ہوں۔
محمود۔ ابا جان آپ کیا فرماتے ہیں۔ [illegible] افسوس [illegible] کچھ دوڑ دھوپ [illegible]
[illegible]
مریض۔ ا......یہ......سے......میں......اسے......ر......د......ی......
......بیدا......ئے......وا......ق......ف......کردو......ڈاکٹر [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

محمود۔ والد صاحب جو کچھ اماں جان نے فرمایا ہے۔ یہ سب سچ ہوگا۔ مگر اس
سے آپ کی محبت میرے دل سے کم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ
ہوگئی ہے۔ کیوں آپ کا احسان میرے اوپر اصلی والدین سے بھی زیادہ
ہے۔ آپ نے بلا محبت پدری اور خون کے۔ مجھے اصلی والدین
سے زیادہ پیار کیا ہے۔ پالا۔ پوسا۔ لکھایا۔ پڑھایا۔ اور خدا
معلوم کن رذیلوں کی اولاد تھا۔ آپ نے مجھے معزز اور متمول بنایا۔
آپ کا احسان کسی طرح بھی نہیں بھول سکتا ہوں۔

ابھی اس نے یہ الفاظ پورے نہیں کئے تھے۔ کہ ڈاکٹر محمد خان کو بیس تیس
ہچکیاں آئیں۔ اور ان کی روح اس قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

جس وقت محمود کی والدہ سے مذکورہ بالا حالات سے آگاہی کر رہی تھی
تو منیر بیگم پس پردہ کھڑی ہوئی یہ سب حال سن رہی تھی۔ چونکہ بیانات
من و عن ان واقفیت سے ملتے تھے۔ جو دم مرگ اسکے والد شیخ عمر بخش
نے اس کو سنائے تھے۔ لہذا وہ سمجھ گئی۔ کہ اس کا خاوند محمود ضرور
وہی لڑکا ہے۔ جو اس کے ساتھ ندی کنارے پڑا پایا گیا تھا۔ اور
چونکہ وہ ہم عمر بچوں کا ایک وقت میں اور ایک ہی جگہ پر ایسی حالت میں
پایا جانا اس بات کو ثابت کر رہا ہے۔ کہ وہ ضرور ایک ہی شکم سے
تولد ہوئے ہیں۔ اس لئے اسے پختہ یقین ہوگیا۔ کہ محمود ضرور میرا حقیقی
بھائی ہے۔ یہ معلوم کرکے اسے سخت صدمہ پہنچا۔ اور اس نے
اپنے حقیقی والدین کو ہزار نفرین کہی۔ اور اپنے دل میں یہ عہد کر لیا۔ کہ میں
آئندہ سے محمود کو اپنا حقیقی بھائی ہی تصور کرونگی۔ اور یہ سوچ کر کہ
جس شخص کے گھر میں اس کی زوجہ بنکر عرصہ دو سال تک رہ چکی ہوں۔
اب میں کس طرح سے اس کو منہ دکھاؤں گی۔ اس نے مصمم ارادہ کر لیا۔ کہ
پیشتر اس کے کہ محمود پر یہ راز ظاہر ہو۔ میں اس گھر سے نکل جاؤنگی۔ اور
کہیں جا کر خودکشی کر لونگی۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی۔ کہ ڈاکٹر صاحب کے
مرتے ہی وہ بھی اسی گھر میں خودکشی کرکے محمود کو دو صدمے پہنچائے۔

دوسرے روز حسب دستور ڈاکٹر محمد خان کی تجہیز و تکفین کر دی گئی۔ اور شیخ عمر بخش کے مقبرہ کے برابر ہی انکا بھی ایک عالیشان مقبرہ تعمیر کرا دیا گیا۔

باب دوازدہم

جو پہلے تھا معلوم ابتدا سے کہ جوانی خراب ہوگی
تو رو کے کہتے ہی خدا سے شباب ہم لیکے کیا کرینگے

رات کے نو بجے کا وقت ہے۔ عروس شب نے کسی کے رنج و غم یا ماتم میں اپنے سر کے سیاہ لمبے بال پریشانی کی حالت میں پھیلائے ہوئے ہیں۔ تاریکی عاشق کے بخت سیاہ کی طرح اپنی انتہائی حالت پر پہنچی ہوئی ہے۔ کالی کالی گھٹائیں آسمان پر چھائی ہوئی ہیں۔ ستارے تو کہیں دکھائی نہیں دیتے ہاں اسکی تاریکی کا سیاہ سیاہ رنگ دکھانے کے لئے جگنو البتہ کہیں کہیں چمک جاتے ہیں۔ بادل دل کھول کر گرج رہا ہے۔ ابر میں رہ رہ کے بجلی بھی اس طرح اپنی چمک دکھا جاتی ہے۔ جس طرح کہ شرمیلا حسین اپنے چاند سے رخسارے کو نقاب سے نکال کر کسی طرف نگراں ہو۔ اور اپنی طرف کسی کو گرم نظارہ دیکھ کر اچانک جھجک جائے۔ اور پھر نقاب میں رخ روشن کو چھپا لے۔ گو اس وقت تاریکی نے تمام عالم میں اپنا پورا پورا تسلط جما رکھا ہے۔ لیکن ہم اپنے ناظرین کو ساتھ لئے ہوئے ہیں۔ گھر کے پیچھے لائبریری کے سامنے والے میدان میں کھڑے ہیں۔ دیکھو وہ سامنے کوئیں کی منڈیر پر کون شخص از سرتا پا کمبل میں لپٹ کر اس کوئیں کی منڈیر پر آکر کھڑا ہوتا ہے۔ اسکے نزدیک جاتے ہوئے تو لوگ دن میں بھی گھبراتے ہیں۔ کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کنواں آسیبوں کا جائے رہائش ہے۔

راوی۔ یہ باطل خیالی ابھی تک ہٹا رہے تھے کہ دور نہ ہوا۔

صورت پائی ہے۔ خدا کی قسم ایسی صورت آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ سے

تو از پری چابک تری وز برگِ گل نازک تری

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

اُف بیچاری کے سب کپڑے تر بتر ہیں۔ کہیں اس کا نازک بدن سردی سے سکڑ نہ جائے۔ پھر کیا کرنا چاہیئے۔ کیا میں اس کے بھیگے کپڑے اُتار کر اسے اور کپڑے پہنا دوں۔ کیونکہ یہ تو بالکل بیہوش ہے۔ خدا معلوم کتنی دیر میں بیہوش آئے۔ اور اگر اس کے کپڑے تبدیل نہ کئے گئے تو ضرور اس کا سردی سے کام تمام ہو جائے گا۔ بیشک یہ ضرور مجھے بُرا بھلا کہے گی۔ کیونکہ کوئی عالی خاندان عورت یہ گوارا نہیں کرتی کہ کوئی نامحرم شخص اسے برہنہ دیکھے۔ پھر کیا کروں۔ کیا اس حسینہ کا کام سردی سے تمام ہو جانے دوں۔ نہیں یہ تو مجھ سے ہرگز نہ ہوگا۔ مگر اس کے غصہ کو برداشت کر لونگا۔ اس کی منت سماجت سب سہہ لوں گا۔ مگر اس دُرِ بے بہا کو ہاتھ سے نہ گنواؤنگا۔

یہ سوچ کر اس شخص نے ایک ٹرنک میں سے زنانہ جوڑا کپڑوں کا نکالا۔ نامعلوم اس مجرد شخص کے پاس یہ زنانے کپڑے کہاں سے آئے تھے۔ خیر ہمیں اس سے کچھ مطلب نہیں۔ خواہ کہیں سے آئے ہوں۔ ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ اب یہ کیا کرتا ہے۔

بہادر شخص نے جلدی جلدی حسینہ کے کپڑے اتارنے شروع کر دئے۔ اور جب اس نے اپنی آنکھوں کے آگے سیمین بدن نازنین کو برہنہ دیکھا۔ تو اس کا دل قابو سے نکل گیا۔ بدکاری کا جن اس کے سر پر سوار ہو گیا۔ اور اس نے نازنین کو چھاتی سے چمٹا کر پے در پے بوسے لینے شروع کر دئے۔ بوسوں کی چٹاخ پٹاخ سے نازنین چونک پڑی۔ اور نیم بے ہوشی کی حالت میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں

طرف دیکھنے لگی۔

بہادر۔ (دل ہی دل میں) افسوس برا ہؤا ابھی تو دلی آرزو بھر بھی نہ آئی تھی کہ اس نے آنکھیں کھولدیں۔ اب یہ اپنے آپ کو یہاں دیکھ کر شور و غل مچائیگی نالہ و شیون کرے گی۔ اور ہمسایوں کو جگا کر مجھے بدنام کرے گی۔ پھر کچھ؟ و چارہ نہیں نہیں میں ہرگز نہ ایسا کرنے دوں گا۔ میں ابھی اسے پھر بیہوش کئے دیتا ہوں۔ کیونکہ اس طرح مجھے اپنے دل کے ارمان نکالنے کا خوب موقعہ ملے گا۔

چنانچہ اس نے اُٹھ کر میز کی دراز میں سے ایک پڑیہ نکالی۔ اور ایک کٹورا کھانا اس کو ملا کر نازنین کے پاس لے گیا۔

بہادر۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ تمہیں ہوش آگیا۔ لو یہ تھوڑے سے پانی کے گھونٹ بھر لو۔ اس سے تمہارا حلق تر ہو جائیگا۔ اور دل کو قدرے تسکین ہو جائے گی۔ تم گھبراؤ نہیں۔ اس غریب خانہ کو اپنا ہی گھر تصور کرو۔ تمہاری مرضی کے خلاف یہاں کوئی کارروائی نہ ہوگی۔ چونکہ اس کا حلق مارے پیاس کے خشک ہو رہا تھا۔ وہ بڑی خوشی سے اس پانی کو پی گئی۔ اور پیتے ہی صبح تک کے لئے بیہوش ہو گئی۔

ناظرین یہ ذات شریف وہی بہادر خان ہے۔ جس کا ذکر ہم ناول کے شروع میں کر آئے ہیں۔ جس نے نصیبن سے مل کر بیچاری بدرالنساء کو دام تزویر میں پھنسایا تھا۔ اور اس معصوم لڑکی کے بغیر مرضی اس کی قسمت کو خاک میں ملایا تھا۔ ہاں یہ وہی بہادر خان ہے۔ جس نے آج ایک بیکس لڑکی کو خودکشی سے بچایا تھا۔ مگر اپنی کمینہ اور مذموم حرکت کے باعث اپنی نیکی کو گناہ سے مبدل کر دیا تھا۔ اسے بہادر خان تو بیشک بہادر اور جوانمرد ہے۔ عالی ہمت و شجاع ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی تو اوّل درجہ کا شیطان سیرت عیاش و زناکار ہے۔ تو شہوت پرست ہرجائی بھی اور مکار ہے۔ جس کے باعث تیرا اعلیٰ عہدہ اور تیری بہادری پہ ہزار لعنت اور لاکھ نفرین بھیجنے کو جی چاہتا ہے

صبح آٹھ بجنے کے قریب جب حسینہ کو ہوش آیا۔ تو وہ اپنے تائیں
ایک اجنبی شخص کی بغل میں برہنہ سوتے ہوئے دیکھکر اور اپنا دامن عصمت
اس کے ہاتھوں چاک ہوا معلوم کرکے از حد بے چین ہوئی۔ اور
غریب اتنی روئی۔ کہ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ بہادر خان بھی اس
کے رونے کی آواز سنکر جاگ اٹھا۔ اور اس کو اس قدر رے کرتے ہوئے
دیکھکر اس طرح سمجھانا شروع کیا۔
بہادر خان۔ اے نازنین میں نہیں جانتا۔ کہ تو کس کان کے صدف کی
دُرِ بے بہا ہے۔ اور کس کی آنکھوں کا نور اور دل کی راحت ہے۔ اور
تیری رہائش کا کونسا باغ ہے۔ مگر اتنا ہی جانتا ہوں۔ کہ جب سے
میں نے تجھے دیکھا ہے۔ میرا دل تیری نظر ہو چکا ہے۔ اب میں نے یہ
ٹھان لی ہے۔ کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ میں تم سے قیامت تک بھی
جدا نہ ہوں گا۔ اور تجھ کو سامنے بٹھا کر تیرے بُت کی پرستش کیا کروں گا
تیرے باغ حسن کی بہاریں لوٹا کروں گا۔ اور عمر بھر تیرا غلام بنا رہونگا۔
تو اپنے آپ کو اس گھر کی اور میرے خانہ دل کی مالکہ سمجھو۔ یہاں تجھ کو ہر
طرح کا آرام و آسائش ہو گا۔ اور کوئی آفت تجھ تک پہنچنے نہ
پائے گی۔
حسینہ۔ (روتے ہوئے) اے شخص میں نہیں جانتی کہ تو کون بشر ہے۔ مگر
میرے لئے تو شیطان مجسم ہے۔ اور تو نے میری مرضی کے بغیر اور بے ہوشی
کی حالت میں میرے شیشہ عصمت کو توڑ ڈالا ہے۔ اس کا اجر تجھے خدا سے
ملیگا۔ ورنہ میں غریب تجھ سے کیا بدلہ لے سکتی ہوں۔ مگر اب اتنی مہربانی
کر کہ میرے کپڑے مجھ کو دے دے۔ تا کہ میں انہیں پہنکر تیرے ناپاک
گھر سے نکل جاؤں۔
بہادر خان۔ (کپڑے دیکر اور ہاتھ جوڑکر) اے میرے جگر و جان کی مالکہ
اے میری دیوی۔ تو اتنی مجھ سے رنجیدہ نہ ہو۔ میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ
جو کچھ میں نے کیا۔ اس میں میرا ذرا بھی قصور نہیں۔ یہ سب قصور تیری شمع

حسن مجکا تیری محبت نے مجھے پروانہ بنا دیا۔ اور میری عقل کی آنکھوں پر شہوت کا پردہ ڈالکر مجھے قابو کر دیا۔ جو کچھ ہو چکا۔ مٹ نہیں سکتا۔ تو مجھ کو اس احسان کے عوض میں بخشدے۔ میں نے تیری جان بچانے میں تدبیر کیا ہے۔

حسینہ۔ تو نے میری بیشک جان بچائی ہے۔ مگر میں اس کو بجائے احسان کے بدی سمجھتی ہوں۔ اول تو تو نے مجھ کو میرے ارادے سے روکا۔ جس کا تجھکو کوئی حق نہ تھا۔ دوسرے تو نے میری جان بچا کر میری عصمت کو لوٹ لیا۔ جس کو میں جان سے ہزار درجہ بیش قیمت سمجھتی تھی۔ اب تو میرا راستہ چھوڑ دے۔ تا کہ میں یہاں سے نکل جاؤں۔ اور اپنے ارادے میں کامیاب ہونیکی کوشش کروں۔

بہادر خان۔ تو کیوں اپنی قیمتی جان کی دشمن ہوئی ہے۔ کیا تو نہیں جانتی۔ کہ جہاں تو جائے گی۔ تیرا حسن عالم افروز ہزاروں شیدا پیدا کر دے گا۔ اور تجھے نئی نئی آفتوں میں پھنسائے گا۔ اگر خدا نخواستہ تو اپنے ارادے میں کامیاب ہو ہی گئی۔ تو تیری لاش ضرور برآمد ہوگی۔ اور تیرے لواحقین ناکردہ گناہ میں پھنس جائیں گے۔ اور تیرے تمام خاندان کی رسوائی ہوگی اور تو بھی حرام موت مر کر خدا کی گنہگار ٹھہریگی۔ میں ہر طرح سے تیری خدمت کرنے کو تیار ہوں۔ اگر تجھے کسی قسم کی تکلیف پہونچے۔ تو اپنی جان کا تجھے ہر وقت اختیار ہے۔

اس تقریر نے حسینہ کے دل میں بہادر خان کے حسب دلخواہ اثر کیا۔ اور وہ کچھ سوچکر بیٹھ گئی۔ بیچاری اور کر ہی کیا سکتی تھی۔ ایسے قوی ہیکل جوان کے پھندے سے نکلنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ دوسرے بہادر خان کی عمر گو اس وقت ۴۰ برس کے قریب تھی۔ مگر اس کے حسن میں ابھی تک کچھ فرق نہ آیا تھا۔ اس کا تاڑ سا قد اور توانا جسم اور گھنی مونچھیں اور پیوستہ ابرو۔ سرخ و سفید چہرہ اور موٹی موٹی آنکھیں ایک بھولی اور ناتجربہ کار لڑکی پر قابو پانے کے لئے کافی تھے۔ اس نے کچھ ایسی گہری

محبت جتلائی۔ اور چکنی چپڑی باتیں کیں۔ کہ پری کو شیشہ میں اتار لیا۔ یعنی وہ لڑکی اس کے گھر رہنے میں رضامند ہو گئی۔

باب سیزدہم

جس روز ڈاکٹر محمد خان کا انتقال ہوا۔ تمام دن ان کے گھر میں مستورات کے گریہ و بکا سے کہرام مچا رہا۔ رات کو منیر بیگم اپنی ساس کے تسکین دہی کے رہنے سے اس کے پاس ہی سو رہی۔ اور چونکہ رات شب یلدا سے بھی زیادہ سیاہ تھی۔ یہ موقعہ پاکر شب کے دو تین بجے ایک سیاہ کمبل اوڑھ گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ اور پھر جو جو اس پر گذری۔ وہ ہم پچھلے باب میں ہی ناظرین کے گوش گذار کر چکے ہیں۔ جب صبح کو بیگم (منیر کی ساس) کی آنکھ کھلی۔ تو منیر کی چارپائی خالی دیکھ کر اس نے خادمہ سے دریافت کیا۔

خادمہ۔ بیوی میں نے اسے نہیں دیکھا۔ شاید صاحبزادے کے کمرے میں گئی ہوگی۔

بیگم۔ جا اگر وہاں سوتی ہو تو جگا دے۔ کیونکہ محلہ کی عورتیں ماتم پرسی کو آتی ہونگی۔

کرمین محمود کے کمرے میں گئی۔ مگر وہاں بھی منیر کو نہ پاکر محمود سے دریافت کیا۔ کہ بالو کہاں ہے۔

محمود۔ وہ تو رات کو اماں جان کے پاس سوئی تھی۔ میں نے تو اسے کل سے نہیں دیکھا۔

خادمہ دوڑی ہوئی بیگم کے پاس آئی۔ اور کہا وہ تو وہاں بھی نہیں ہے۔ وہاں پر کیا تھا۔ گھر میں چاروں طرف تلاش

ہونے لگی۔ کونہ کونہ اور چپہ چپہ چھان مارا۔ مگر اس گل رعنا کا پتہ نہ پایا۔ اس صدمہ سے جو حال محمود کا ہوا ہماری قلم میں طاقت نہیں۔ کہ اظہار کر سکے۔ وہ باپ کا غم بھی بھول گیا۔ اس کو ہرگز یہ خیال بھی نہ آتا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ کہ منیر کو کوئی شاہین اڑا لے گیا۔ زمین نگل گئی۔ یا آسمان کھا گیا۔ اس کو ہرگز یہ خیال بھی نہ آتا تھا۔ کہ وہ خود کہیں نکل گئی ہے۔ وہ گھبرا گھبرا کر بار بار یہ غزل پڑھتا تھا اور اپنی قسمت کو روتا تھا۔

غزل

ڈھونڈنے اس گل رعنا کو کہاں جاؤں میں

آؤ اب اپنا گلا کاٹ کے مر جاؤں میں

وہ تو گذرا نہ ادھر سے جی سے گذر جاؤں میں

عشق بازی میں کبھی کچھ نام تو کر جاؤں میں

شمع گل گور پہ شاید وہ چڑھانے آئی

پیٹنے رونے جنازہ کو اٹھانے آئی

جس وقت محمود گریہ زاری کر رہا تھا۔ اس کی نظر سامنے دیوار پر پڑی۔ اور اسے وہاں کچھ حروف سے لکھے ہوئے نظر آئے۔ اس نے اٹھ کر غور سے انہیں پڑھا۔ تو معلوم ہوا یہ شعر لکھا ہوا ہے۔

میرا نہ تو میاں ہے تیری نہ میں ہوں جورو

اب میرا تیرا ہے رشتہ بہن اور بھائی کا

وہ فوراً پہچان گیا۔ کہ یہ شعر منیر بیگم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ مگر وہ حیران تھا۔ کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ اور جاتے وقت کیوں یہ شعر لکھ گئی۔

کبھی کہتا تھا۔ کہ کہیں اس کے نازک دماغ میں ابا جان کے غم سے فتور

تو نہیں آگیا تھا۔ ہاں میری پیاری منیر تو ضرور دیوانی ہو گئی ہو گی۔ ورنہ تو ہرگز اس مکان سے باہر پاؤں نہ نکالتی۔ یا خدا کہاں جاؤں اور اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز منیر کو کہاں سے ڈھونڈوں۔ کہیں وہ حالت دیوانگی میں کسی کنوئیں یا تالاب میں نہ گر پڑی۔ یا اس گوہر نایاب کو کوئی رہزن۔ چور چکار نہ لے اڑا ہو۔ اے صبا۔ جا میری پیاری کا پتہ لا۔ اور دیکھ کہ اس پر کیا گذر رہی ہے۔ اے نسیم کچھ تو ہی منیر کا پتہ بتا۔ مجھے میری پیاری کی خوشبو ہی سونگھا۔ ہائے میری منیر۔ جا تاں آ۔ اور میرے گلے سے لپٹ جا۔ زیادہ نہ ستا۔ مجھ میں جدائی کی تاب نہیں۔

الغرض انہوں نے منیر کی تلاش میں تمام لاہور ڈھونڈوایا۔ اور کنوؤں میں بانس ڈلوائے۔ تالابوں میں جال پڑوائے۔ اور نہروں کے پانی سنتوائے۔ مگر اس بلبل زار کا پتہ نہ ملنا تھا۔ اور ملتا کہاں سے وہ بیچاری تو بہادر خاں کے پھندے میں جا پھنسی تھی۔

باب چہارم

منیر بیگم کے گم ہونے کے بعد محمود کا دل خانہ داری سے کچھ ایسا کشیدہ ہوا۔ کہ اس نے اپنی والدہ اور لوگوں کے بہت کچھ سمجھانے پر بھی دوسری شادی نہ کی۔ اور کبھی بھی اس نے اپنی پیاری منیر کو دل سے فراموش نہ کیا۔ وہ شب و روز اسی کی یاد میں کڑھتا۔ اور سرد ہنا کرتا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے ہر وقت منیر کی خیالی تصویر

پھر اٹھا لی تھی۔ جس سے وہ اپنے سمجھے ہے دل کو تسکین دیا کرتا تھا۔
آج منیر کو اس گھر سے نکلے دو سال ہو گئے ہیں۔ مگر ہنوز محمود کے دل میں اس کی یاد ویسی ہی تازہ ہے۔ جیسی کہ اس روز تھی۔ جس دن کہ وہ گم ہوئی تھی۔

شب آدھی کے قریب گذر چکی ہے۔ تخمیناً بارہ بجا چاہتے ہیں۔ اور رات کے سناٹے نے خدا کی تمام زندہ مخلوق پر کچھ ایسا سکوت پیدا کر دیا ہے۔ کہ کوئی سانس تک لینا معلوم نہیں ہوتا۔ اور ہر طرف ایسا سوتا پڑا ہے۔ کہ کوئی کروٹ تک نہیں بدلتا۔ اگر راہ محبت تیز ابرا ہو۔ کہ اس وقت بھی ہم محمود کو اپنے مکان سے کچھ دوری پر منیر کے خیال میں تنہا ٹہلتے دیکھ رہے ہیں۔ محمود آہستہ آہستہ ٹہل رہا تھا۔ کہ اس کے پاؤں کو کسی بھاری چیز کی ٹھوکر لگی۔ اور جب اس نے جھک کر دیکھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ کوئی عورت عالم بے ہوشی میں پڑی ہے۔ اسے بیچاری کی حالت پر بڑا رحم آیا۔ اور اُسے وہاں سے اٹھا کر اپنے مکان پر لے جانے کی کوشش کی۔ مگر چونکہ یہ بباعث رنج و غم ناتوان ہو رہا تھا اس سے وہ عورت اٹھ نہ سکی۔ یہ فوراً اپنے گھر پر گیا اور اپنے خاص ملازم کو جگا کر اس کے اٹھا لانے کو بھیجا۔ اور خود دیا کر بیگم اور کریمن کو جگا کر اس بے کس عورت کے حال سے آگاہ کیا۔ تھنے میں ملازم اُسے پیٹھ پر اٹھائے آ پہونچا۔ بیگم نے اسے چارپائی پر لٹا کر اس کے منہ پر عرق گلاب چھڑکا۔ کریمن نے پنکھا ہانکا۔ اور محمود نے کیوڑا سنگھایا۔ کچھ دیر بعد جب اس کو ہوش آیا۔ تو وہ حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اور پوچھنے لگی۔ کہ میں کہاں ہوں۔ اور آپ لوگ کون ہیں؟ جب اس کو سب حال راست راست سنا دیا گیا۔ تو بے اختیار اس کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے۔ اور کہ کمبخت بہادر خان تو نے پھر میرے ساتھ دغا کی۔ تو اس خیال سے کہ مبادا یہ راز منیر بیگم پر نہ کھل جائے۔ مجھے اپنے گھر سے

نکال کر یہاں پھینک گیا ہے۔ ظالم لوٹتے میرے ساتھ وہ کیا۔ جو دشمن سے بھی کوئی نہیں کرتا۔ محض تیرے سبب سے میری زندگی تلخی سے گذری اور گذرے گی۔

منیر کا نام سنکر محمود کے کان کھڑے ہو گئے۔ اور وہ کھود کھود کر پوچھنے لگے۔

بیگم۔ بوا منیر کون ہے۔ اور وہ بہادر خان کون ہے۔؟

عورت۔ بیگم صاحب آج آپ نے مجھے بیکس پر دیکھکر بڑا احسان کیا میرا دل گواہی دیتا ہے۔ کہ آپ اور یہ صاحبزادے بڑے نیکدل اور مہربان شخص ہیں۔ اس لئے مجھے آپ کو اپنی سرگذشت سناتے میں کوئی عذر نہیں۔ اگر آپ ذرا سا پانی پلا کر میرا حلق تر کر دیں۔ تو میں اپنی مختصری بے کم دکاست کہہ سناؤں۔ بیگم کا اشارہ پاکر کہن نے ایک کٹورہ پانی اور کوئی چیز ملا کر عورت کے ہاتھ میں دیدیا۔ جسے وہ تشنہ لب فوراً چڑھا گئی۔ اور پھر اس طرح گویا ہوئی۔

میں شہر راولپنڈی کی رہنے والی اسمی بدر النسا ایک مسلمان عورت ہوں۔ جب میں دو سال کی تھی۔ تو میرا والد مجھے اور میری والدہ کو اکیلی چھوڑ کر دنیا سے چل بسا۔ میری والدہ مسمات نصیبن ایک بدکار عورت تھی۔ مگر جب وہ ادھیڑ ہو گئی۔ تو اس کو میری عصمت کی پڑی۔ کیونکہ اس کی دوکانداری سست پڑ گئی تھی۔ اور اس کو ہر وقت فکر رہتی اس اثنا میں میں جوان ہو گئی۔ تو اس کی نظر میری عصمت پر دوڑنے لگی۔ انہیں دنوں میں ہمارے محلہ میں ایک ۲۰ - ۲۲ سال جوان مسمی بہادر خان خوبرو اور مالدار آکر آباد ہوا۔ اس نے کسی روز مجھے اپنے کوٹھے پر دیکھ لیا۔ اور مجھ پر ہزار جان سے عاشق ہو گیا۔ پس ایک روز اس نے میری ماں سے مل کر مجھے فریب کھیلا یعنی مجھے میری ماں کی معرفت کوئی نشیلی دوا کھلا کر میری عصمت خراب کی۔ (شرم سے غرق غرق ہو کر) اور عیب چھپ کر بیں۔

ہوش میں آئی۔ تو اس نے اپنی چپڑی باتیں بنا کر میرے دل پر
نقش کر دیا۔ کہ میں اس کی منکوحہ بیوی ہو چکی ہوں۔ اور اس نے
رات کو میری والدہ کی مرضی سے ایک قاضی کو بلا کر مجھ سے
نکاح پڑھوا لیا ہے۔ خیر جب اس کو میرے مکان پر آتے جاتے
تقریباً سال ڈیڑھ سال گذر گیا۔ اور میرے دل میں بھی اس
کی از حد محبت ہو گئی۔ تو مجھے حمل کے آثار نمایاں ہوئے
ہیں جو نہی اسے معلوم ہوا۔ کہ میں باردار ہو گئی ہوں
تو مجھے چھوڑ کر اچانک کہیں غائب ہو گیا۔ اور
اس کے بعد اٹھارہ سال تک میں نے کبھی اس کی صورت
نہیں دیکھی۔

بیگم۔ پھر تمہارے کیا بچہ پیدا ہوا۔

بدرہ۔ میرے دو بچے توام پیدا ہوئے۔ جن میں ایک لڑکی اور
ایک لڑکا تھا۔ بس میں نے بدنامی سے ڈر کر بچے اپنی مکار
والدہ کے سپرد کر دیئے۔ اور وہ انہیں لے ندی کے کنارے پھینک آئی

بیگم۔ (چونکتی ہو کر) کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ پھر وہاں سے انہیں کون لیگیا۔

بدرہ۔ ہاں میں نے ایک عورت کی زبانی سنا تھا۔ کہ پولیس کی معرفت
عدالت میں پہنچے۔ اور پھر وہاں سے لڑکے کو تو کوئی لاہور کا رہنے
والا مسلمان ڈاکٹر اسمی محمد خان لے گیا۔ اور لڑکی کو راولپنڈی کے صدر
بازار کا رہنے والا اسمی شیخ عمر بخش لے گیا۔

یہ سنتے ہی بیگم اور محمود کو سکتہ ہو گیا۔ اور وہ جان گئے کہ محمود
اور میری اصلی والدہ یہی ہے۔ اور اب محمود کی سمجھ میں اس شعر
کا مطلب بھی آگیا۔ جو چلتے وقت دیوار پر کندہ کر گئی تھی۔ محمود
نے شرم سے رومال منہ پر ڈال لیا۔ اور بیگم بے ہوشی کی حالت میں
دھم سے کرسی پر گر گیا۔ جب بیگم نے بدرالنساء کے چہرہ کو غور
سے دیکھا تو اس کی شکل ہو بہو میرے مشابہ پائی۔ اور پھر اپنے [illegible]

اس سے یوں گویا ہوئی۔
بیگم۔ ہاں پھر تم نے کیا کیا۔ آگے بیان کرو۔
بدر۔ اب میری والدہ کا ارادہ پھر کسی کے پھندے میں پھنسانے کا ہوا۔ اس نے میرے ساتھ بہت کچھ داؤ پیچ کھیلے۔ مگر اب میں ہوشیار ہو گئی تھی۔ اس کے دام میں نہ پھنسی۔ بس جب اس کو پختہ یقین ہو گیا۔ کہ اب میں اس کے ہاتھ پر نہ چڑھوں گی۔ تو ایک روز رات کو میرا تمام زیور و نقدی لے کر چلتی بنی۔ اور مجھے مفلسی اور تنہائی میں گرفتار کر گئی۔
بیگم۔ عورت کیا تھی ڈائن تھی۔ جس نے اپنے آرام کے لئے اپنی لڑکی پر مطلق رحم نہ کیا۔ ہاں پھر تم نے کیا کیا۔
بدر۔ جب میں تنگدستی سے لاچار ہو گئی۔ تو میں نے محنت مزدوری کر کے گذران کرنی چاہی۔ مگر آپ جانتے ہیں۔ اس زمانہ میں ایک جوان اور حسین عورت کا گھر سے باہر نکل کر محنت مزدوری کرنا اس کی عصمت کے لئے کیسا خطرناک ہے۔ لاچار میں اپنی ایک ہمسائی یہاں کی جو قوم کی ہندو تھی درخواست کی۔ کہ مجھ غریب کی کچھ مدد کرے۔ وہ بیچاری بڑی نیک اور اشراف تھی۔ رحمدل اور بال بچہ دار تھی۔ اس نے مجھ پر رحم کر کے اپنے بچوں کے کھلانے پر نوکر رکھ لیا تھا۔ مجھے ان کے پاس رہتے ہوئے ۸ - ۱۰ برس گذر گئے۔ تو میرے شومئے بخت سے میری مالکہ اپنے ننھے ننھے بچے چھوڑ کر انتقال کر گئی۔ اس کے مرنے پر اس کے سب رشتہ دار تقریب سے آئے۔ اور ان میں سے میری مالکہ کی بہن جس کا خاوند لاہور میں [illegible] تھا۔ اپنے چھوٹے ہمشیرہ زادوں کو اپنے ہمراہ لاہور لے آئی۔ اور چونکہ بچے مجھ سے ہلے ہوئے تھے۔ اور میرے بغیر با امن نہ رہتے تھے لہذا ان کے ساتھ وہ مجھے بھی لاہور لے آئی۔ میں دو تین سال تک بڑے آرام سے انکے یہاں رہی۔ مگر دائے قسمت کہ [illegible] بھی [illegible]

اوران کی تبدیلی ایک دُور دراز جگہ یعنی کوہ دار جلنگ کو ہوگئی وہ بیچارے مجھ اکیلی بے یار و مددگار لاہور میں چھوڑ کوہ دار جلنگ چلے گئے۔ اب میں پھر کسی جگہ نوکری کی متلاشی ہوئی۔ ایک روز تقریباً دن ڈھلے کیوقت میں بر خود درتے ہوئے روزگار کی تلاش میں پھر رہی تھی۔ کہ ایک سفید پوش جنٹلمین نے مجھ سے کہا کہ مجھے ایک خادمہ کی ضرورت ہے۔ اگر تم نوکری کرنی چاہو تو میرے ہمراہ چلو۔ میں نے ایک خوش پوش امیرزادہ سمجھ کر اس سے دریافت کیا کہ مجھے کیا کام کرنا ہوگا۔ اس نے جواب دیا۔ کہ پرسوں میری عورت کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔ تمہیں زچہ اور بچہ کی خدمت کرنی ہوگی میں نے نوکری قبول کر لی۔ اور اس کے ساتھ اس کے گھر چلی گئی۔ اور اس رات زچہ اور بچہ کی خوب دل سے خدمت کی۔ جسوقت اس جنٹلمین کے ہمراہ اس کے گھر گئی تھی۔ کافی اندھیرا ہو گیا تھا۔ اس لئے میں نے اسے مطلق نہ پہچانا۔ مگر جب صبح ہوئی۔ اور میں نے اسکو دیکھا۔ تو بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا۔ کہ ارے یہ تو وہی دغا باز بہادر خان ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے بھی مجھے پہچان لیا۔ اور مجھے علیحدہ کرکے کہا دیکھ گڑے مردے مت اکھیڑ اور اس عورت کو پرانے حالات سے آگاہ نہ کر۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر میرا پچھلا قصور معاف کر دے۔ اب دیکھ مجھے میں نے تیرے کوئی تکلیف نہ ہونے دونگا۔ آج تو اس گھر میں آرام سے رہ۔ میں تجھے پچاس روپیہ دیتا ہوں۔ مگر دیکھو اس عورت کو کچھ معلوم نہ ہو۔

میرے دل میں اس کی پرانی محبت پھر جوش کر آئی۔ اور داشت کل تک سے کچھ خاطر نہ سمجھ کر میں نے اس کا پچھلا قصور معاف کر دیا۔ اس روز تمام دن اس کی بیوی اور بچے کی خدمت کرتی رہی۔ مگر اس کی عورت پر [illegible] ظاہر نہ کیا۔ رات کو پھر بہادر خان نے مجھے اپنے کمرہ میں بلایا اور مجھے اپنے ہاتھ سے چائے لوشی میں شربت پلایا۔ اس کے بعد مجھے کچھ معلوم نہیں۔ کہ مجھ پر کیا گذری۔ ہاں آج سکے ہاں سے معلوم ہوا کہ میں فلاں جگہ بے ہوش پڑی پائی گئی۔ میں لساف ظاہر ہے

کہ اُس نے اس خوف سے کہ ہیں مبادا اس کی حسین عورت پر اس کی پچھلی کارروائیاں ظاہر کر دوں مجھے بے ہوش کر کے وہاں ڈال دیا

بیگم۔ مگر تم نے منیر بیگم کس کا نام لیا۔

بدر۔ اجی اس اپنی سوتن کا۔

بیگم۔ تم نے اس سے اس کا نام پوچھا ہو گا۔

بدر۔ جی ہاں۔

بیگم۔ شکل وصورت بھی کیسی تھی۔

بدر۔ بیگم صاحب گو رشک اس کی زیادہ تعریف کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ مگر مجھے کہنا پڑتا ہے۔ کہ وہ لڑکی چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے معلوم نہیں کہ بد دغا باز اس حور کو کہاں سے اڑا لایا ہے۔

بیگم۔ کیا عمر ہو گی۔

بدر۔ کیا۔ ۱۸۔۔ ۲۰ سال سے زیادہ معلوم نہیں ہوتی۔

بیگم۔ (محمود سے) بیٹا محمود کہیں ہماری منیرا اس دغا باز شخص کے ہاتھوں نہ پڑ گئی ہو۔

محمود۔ مجھے بھی شک ہے۔ اگر وہی ہوئی تو [illegible]

بیگم۔ کیا [illegible] پڑھ لیا۔

محمود۔ (کھڑے ہو کر بڑے جوش سے) [illegible] حل کر دوں گا۔ اور اس بہادر خان فرود کو اس کے [illegible] کی سزا دوں گا۔

باب پانزدھم

شام کا وقت تھا۔ اور دو برقعہ پوش عورتیں بہادر خان کے مکان پر کھڑی دستک دے رہی تھی۔ کہ اتنے میں اسی لڑکے نے جس کا ہم نے آگے ذکر کیا ہے۔ اندر سے دروازہ کھولا۔ اور پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔

عورت۔ جاکر اپنی مالکہ سے کہو کہ آپ کے محلہ کی عورتیں آپ سے ملاقات کرنے آئی ہیں۔ لڑکا فوراً اندر گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد آکر دونوں عورتوں کو اپنے ہمراہ اندر لے گیا۔ اندر پہونچ کر ایک عورت نے فوراً اپنا برقعہ اتار کر علیحدہ رکھ دیا بلقیس بیگم نے جو منیر بیگم ایک چیخ مار کر زمین پر گر گئی اور کیوں نہ گرتی جبکہ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک مردہ کھڑا تھا۔ چیخ سنتے ہی بہادر خان جو کہ دوسرے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ دوڑا اور محمود کو ڈپٹ کر بولا۔

بہادر۔ او مردود کون ہے۔ کیا شامت آئی ہے۔ کہاں کھملا ئی ہے۔

عورت بنکر زنانہ گھر میں چلا آیا۔ ٹھیر تو دیکھ تیری گت بناتا ہوں۔ اگر دو ذرا کی طرح تو ہم آکر رکھد یا تو کہنا۔

محمود۔ میں کوئی غیر نہیں ہوں۔ تیرا اس کا سگا بیٹا ہوں۔ اور منیر کا حقیقی بھائی ہم دونوں بہن بھائی (بدر النساء کی طرف اشارہ کر کے جو اسکے ہمراہ آئی تھی) اس عورت کے بطن سے اور تیرے نطفہ سے توام پیدا ہوئے تھے۔ مگر افسوس کہ محض تیری سیاہ کاریوں کے باعث ہم سب کو ذلت اور رسوائی اور ندامت سہنی پڑی۔ اور دین و دنیا دونوں سے ہم گنہگار ہوگئے۔

بہادر۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ تو کیا کہہ رہا ہے۔

محمود۔ ہاں میں سچ کہتا ہوں۔ اگر تو اس عورت کو (بدر النساء) ایام حمل میں چھوڑ کر نہ چل دیتا۔ تو ہم دونوں بہن بھائی (اپنی ماں) کے کنارہ سے کیوں چھوٹ جاتے کیوں غیروں کے ہاں پرورش پاتے اور یہ ناواقفیت کے باعث میں اپنی بہن سے شادی کر لیتا منیر شادی کے گھر کو چھوڑ کر

اپنے والد کی بیوی تھی۔

بہادر۔ کیا ان باتوں کا کوئی ثبوت ہے۔

بدرالنساء۔ (برقعہ اتار کر) ذرا غور سے دیکھ منیر کی شکل بالکل مجھ سے مشابہ ہے۔ اور محمود کی تجھ سے بہت ملتی ہے۔

اسوقت بہادر خان بڑی غور سے ان سب کے چہروں کو دیکھ رہا تھا۔ اور اس طرح کانپ رہا تھا۔ جیسے کوئی ملزم دار پر چڑھتے وقت کانپتا ہے۔ محمود لپک کر اس ننھے سے بچے کے پاس جا کر کھڑا ہوا۔ جو پنگوڑے میں لیٹا ہوا ہاتھ مار رہا تھا۔ اور بہادر خان کو شرمندہ کرنے کیلئے اس سے یوں باتیں کرنے لگا

محمود۔ او معصوم بچے۔ میں حیران ہوں۔ کہ تجھے کیا کہہ کر بلاؤں۔ کیونکہ میرے اور تیرے درمیان ایک درجن کے قریب رشتے ہیں۔

(۱) ایک تو میرے والد کا بیٹا ہے۔ اس لئے میرا بھائی ہے۔

(۲) تو میری بہن کا لڑکا ہے۔ اسلئے میرا بھانجا ہے۔

(۳) تو میری جورو کا بیٹا ہے۔ اسلئے میرا بیٹا ہے۔

(۴) چونکہ تیری ماں میرے باپ کی جورو ہے اسلئے وہ میری ماں ہے اور بہادر خان اس کا باپ ہے۔ اس لئے میرا نانا ہے۔ اور تو میرے نانا کا لڑکا ہے۔ لہذا تو میرا ماما ہے۔

(۵) بہادر خان میری جورو کا باپ یعنی میرا سسر ہے اور تو میرے سسر کا بیٹا ہے۔ اسلئے تو میرا سالا ہے۔ (۶) چونکہ تو بہادر خاں کی لڑکی کا بیٹا ہے یعنی اس کا نواسا ہے۔ اور بہادر خان میرا بھتوئی ہے اسلئے تو میرا بھی نواسا ہے۔

(۷) چونکہ بہادر خان تیری ماں کا باپ یعنی نانا ہے۔ اور میں تیرے نانے کا داماد ہوں۔ اس سے تو میرے سسر کا نواسا ہے۔ یعنی میری [illegible] کا لڑکا ہے۔ اور میں تیرا خالو ہوں۔

(۹) چونکہ تو میری ساس کے بیٹے کی جورو کا بیٹا ہے۔ اس سے تو میری ساس کا پوتا ہے اور میرے سالے کا لڑکا ہے۔ اور میں تیرا پھوپھا ہوں۔

(۱۰) چونکہ تو میری جورو کا لڑکا ہے اس سے میں تیرا باپ ہوں۔ اور میرا باپ تیرا

دادا ہے۔ اور چونکہ تو میرے باپ کا بیٹا ہے۔ اس واسطے تو میرا بھائی ہے اور
جب تو میرے دادا کا لڑکا ہے۔ اسلئے تو میرا چچا ہے۔
جسوقت محمود ان عجیب رشتوں کو یاد کر کے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ
رہا تھا۔ تو بہادر خان ان کو سن سن کر شرم سے عرق عرق ہوا جاتا تھا۔ اور زمین
پر دوزانو بیٹھا ہوا خدا سے بڑے عجز و انکسار کے ساتھ معافی مانگ رہا تھا۔
اے عالم الغیب تجھ سے میرا کوئی گناہ چھپا ہوا نہیں۔ بیشک میری بدفعلیوں
اور سیاہ کاریوں کی کوئی انتہا نہیں۔ مگر تیری بخشش بھی بے انتہا ہے۔ تیری ذات
سے ہر ایک کو عفو کی امید ہے۔ تیری درگاہ سے کوئی سائل نامراد نہیں جاتا
میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں۔ تو میری بداعمالیوں کو نظرانداز کر کے مجھ کو
جہنم کی آگ سے بچا۔ نہیں تو ایسی بے انصافی نہیں کر سکتا۔ جنکا دل دکھایا
ہے۔ اور جنکو ایذا پہنچائی ہے۔ ان سے بھی مجھے معافی مانگنی چاہئے۔ یہ کہہ کر وہ
بدرالنسا اور محمود منیر کی طرف متوجہ ہوا۔ اور یوں معافی کا خواستگار ہوا۔
اے بدرالنسا تو بیشک پاک دامن اور باوفا ہے۔ تو باعصمت اور
نیک طبع ہے۔ تو نے میرے سبب بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ در بدر ٹھوکریں
کھائیں۔ مگر اب تو مجھ کو اپنی عصمت کے صدقے پھر ایکدفعہ بخش دے۔ پیاری میں
دست بستہ تجھ سے ملتجی ہوں۔ تو اپنے روسیاہ خاوند کو معاف کر دے۔
اے محمود میرے کلیجہ کے ٹکڑے۔ میری آنکھوں کے نور دیکھ تیرا
گنہگار باپ دست بستہ تجھ سے ملتجی ہے۔ کہ بخش دے۔ اور تو مجھے اپنی جوانی
کے صدقے بخشدے۔

آہ! اس بدکاری کا برا ہو۔ اے زناکاری تیرا روسیاہ ہو۔ اے عیاشی
تیرا بیڑہ غرق ہو۔ اے نالائق تیرا خانہ خراب ہو۔ تو نے میری آنکھوں پر
حرص کی پٹی باندھکر مجھ سے نازیبا فعل کرائے اور دنیا میں شرمسار اور خدا کا گنہگار
بنا کر گردن میں لعنت کا طوق اور پیشانی پر کلنک کا ٹیکا لگایا۔ آہ! منیر تو بیشک میرے
نطفہ سے پیدا ہوئی۔ لیکن میں تجھے بیٹی کہنے کے قابل نہیں رہا۔ افسوس
نفس، پرستی کے بس میں ہو کر تیرے بے بہا عصمت مٹی میں ملائی۔ کاش

اسوقت میں تجھے اس کنوئیں سے نہ نکالتا۔ اور وہیں غرق ہو جانے دیتا تو تجھے اور مجھے یہ روز بد کا ہے کو دیکھنا پڑتا۔ آہ میں تجھ سے کس منہ سے معافی مانگوں۔ میری خطا قابل معافی نہیں ہے۔ تو ہرگز مجھ کو معاف نہیں کر سکتی۔ میں مردود اب دنیا میں رہنے کے قابل نہیں رہا۔ صرف موت ہی اس کا علاج کر سکتی ہے۔ اور پیشتر اس کے کہ کسی کو روکنے کا موقعہ ملے بہادر خان نے بڑی پھرتی سے ایک تیز خنجر جیب سے نکال کر دستے تک اپنے گلے میں گھونپ لیا۔ اور وہ چند منٹ میں مار دم بریدہ کی طرح تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

اسوقت منیر چپ چاپ مجسم تصویر بنی ہوئی ہے۔ اور ایک چارپائی پر لیٹی ہوئی ہے۔ جبکہ اس نے مذکورہ بالا واقعات سنے۔ اور یہ سانحہ ہوشیارانہ دیکھا۔ تو اس کے دل پر ایسا صدمہ ہوا۔ کہ وہ بے ہوش ہو گئی اور ایسی ہوئی کہ پھر قیامت تک نہ اٹھی۔

اگلے روز محمود نے چپ چاپ ان دونوں کی تجہیز و تکفین کی۔ اور کچھ عرصہ بعد ہی اپنی مہربان والدہ کی آغوش میں جا سویا۔

محمود نے عمر بھر دوسری شادی نہ کی۔ اور ہمیشہ اس دنیا کی لذتوں سے دل برداشتہ رہا۔ بدرالنساء بڑے آرام سے محمود کے ہاں رہتی ہے مگر اب بھی اسے پچھلے رنج و غم کی یاد چین نہیں لینے دیتی۔

بڑی بیگم نے یعنی ڈاکٹر محمد خان کی بیوی کو کبھی قسم کی تکلیف نہیں ہے مگر وہ ہمیشہ محمود کو غمگین دیکھ کر کڑھتی رہتی ہے۔ اور اکثر منیر بیگم کو یاد کر کے پہروں رویا کرتی ہے۔

تمام شد

کتبہ محمد امین کاتب از سلہو کے ضلع گوجرانوالہ

نادر کتب

آئینہ حکمت معروف بہ رسالہ فصد
یہ رسالہ بوعلی سینا جیسے مشہور و معروف فاضل کی اعلیٰ تصنیف ہے۔ اردو خوان پبلک۔ اس زبردست مصنف کی فیض تصنیف حیات انسان سے بالکل بے بہرہ تھی۔ جس نے نہایت کوشش کے ساتھ اس کا ترجمہ اردو سلیس زبان میں شائع کیا ہے۔ جس سے ایک معمولی آدمی بھی فصد کے معاملات اور ضرورتوں سے واقف ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ دو رسالہ اور بھی ہیں۔ ایک میں صدہا مجرب نسخہ۔ دوسرے میں ہر ایک مرض کا مجرب علاج لکھا گیا ہے قیمت صرف دو آنہ (۲ر)

مجموعہ لوازمات۔ اس قابل قدر کتاب میں مربے۔ حلوے۔ اور اچار۔ چٹنیاں۔ اور رائیتے اور چائیں بنانے کی نہایت نفیس خوش ذائقہ ترکیبیں درج کی گئی ہیں۔ قیمت (۸ر)

ربڑ سٹیمپ میکر۔ اس کتاب میں ہر ایک طرح کی ربڑ کی مہریں بنانے کا طریقہ تشریح و بنانے کے وغیرہ درج ہیں۔ قیمت (دو)

جوتش رتن بھنڈار۔ اس کتاب میں جوتش کے متعلق معاملا بڑی خوبی سے درج کئے گئے ہیں۔ قیمت صرف (۸ر)

رسوبا۔ اس میں اہل ہنود کے طریق پر تمام اقسام کے کھانے پکانے کی تراکیب درج کی گئی ہیں۔ قیمت (عہ)

مکمل فوٹو گرافی۔ اس میں کل علم فوٹو گرافی مکمل طور پر قلمبند کئے گئے ہیں۔ تمام ضروری سامان کا اندراج بمع تراکیب استعمال مفصل طور پر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے انجان بھی اعلیٰ فوٹو گرافر بن سکتا ہے۔ اور ہزاروں روپیہ کما سکتا ہے۔ خاصکر فوٹو گرافروں کے لئے رہنمائی کا کام دیتی ہے۔ ضرور خرید کر مفاد حاصل کریں قابل دید ہے۔ قیمت (عہ)

نایاب ادویات

بیرج وردھک گھرت - اس کے نام ہی سے ظاہر ہے - یہ نہایت اعلیٰ درجہ کا مقوی باہ ہے - اس کے استعمال سے بیرج بافراط پیدا ہوتا ہے [illegible] پشٹ اور گاڑھی ہوتی ہے - اس کے چند روزہ استعمال سے جسمانی اور دماغی ہر قسم کی کمزوریاں نیست و نابود ہو کر جسم اور چہرہ کی رنگت کندن کی طرح سرخ ہو جاتی ہے - دل کی دھڑکن آنکھوں کی زردی - پھیپھڑوں کی کمزوری کو دور کرتا ہے - بچپن کی غلط کاریوں - یا کہ آتشک - سوزاک کے سبب جن کی دھات پتلی ہو گئی ہو - یا کہ جسمانی طاقت جاتی رہی ہو - وہ ضرور اس کو استعمال کریں - قیمت فی ڈبیہ تین روپے (۳؎)

قوت باہ یا خزانہ طاقت - یہ دوائی معمولی اور اشتہاری نہیں ہے - بلکہ ایک خاص صاحب دولت کی فرمائش کرنے پر بڑی محنت اور جانفشانی سے تیار کی ہے - اس کے ہزاروں سارٹیفکیٹ موجود ہیں - اس کے زود اثر ہونے کا جس قدر تہلکہ پڑا ہے - قلم میں نوشت کی طاقت نہیں - کہ تحریر کر سکے - یہ دوائی چند یوم میں آپ کی ان پوشیدہ شکایات کا جن کو کہ آپ ظاہر نہیں کر سکتے - آزاد کر دیگی - یہ دوائی اعضاء رئیسہ دل و دماغ اور جگر کو طاقت دیتی ہے - اور طاقت مردمی کو اس قدر بڑھاتی ہے - کہ ضبط کرنا دشوار ہو جاتا ہے - مقوی معدہ ہے - بھوک کو بڑھاتی ہے - جریان - احتلام کو جڑ سے اڑاتی ہے - اور زائل شدہ طاقت کو از سر نو عود کراتی ہے - غذا کو تحلیل کر کے خون صالح پیدا کرتی ہے - اور انسان کو فربہ بدن بنا دیتی ہے - کمزوری ضعف بصارت - ہاتھ پاؤں کی جلن - سوزش مثانہ کے واسطے تو اکسیر کا حکم رکھتی ہے - اگر آپ کچھ زندگی کا مزہ لوٹنا چاہتے ہیں - تو اس دوائی کو ضرور منگا کر استعمال کریں - اور اس کی خوبی کی داد دیں - یہ نہایت اعلیٰ چیز ہے - قیمت ضرور دو روپے (دعـ)

المشتہر حکیم رام کشن کا دواخانہ جڑی بوٹی پنجاب - دفتر پارکشان لوہاری گیٹ لاہور